ہفت روزہ

الفتح

کراچی

۲۷ر جولائی ـــ ۳ر اگست ۱۹۷۲ء



قیمت ـــ روپے

ہوائی ڈاک سے ـــ ۵ پیسے

مناجات



سیّد عبدالحمید عدم

اے خُدا۔ اے حاکم و خلاّقِ اقدارِ عظیم !
اپنی انگلی سے دِکھا۔ بندوں کو راہِ مستقیم
بھوکا پیاسا جب مہینوں کا۔ کوئی معصوم چور
ہو چکا ہو مضمحل اور بے سکت۔ مانندِ مور
رات کی ظلمت میں سرگرداں ہو، ملزم کی طرح
ایک ناکردہ خطا معتوب مجُرم کی طرح
اس کو ایسے خانۂ زردار کے آنگن میں بھیج
ایسے پُر امید اور دولت بھرے۔ مسکن میں بھیج
جس جگہ سب اہلِ خانہ۔ سو رہے ہوں چین سے
خامشی بھی آرمیدہ ہو۔ لپیٹ کر رَین سے
چور بے کھٹکا ہو داخل۔ مطبخ و دالان میں
اور سارا مال ڈھو لائے۔ کشادہ لان میں
ماحضر کر لے تناول۔ آبرو اور آن سے
لے اُڑے سارا اثاثہ۔ پورے اطمینان سے

اے خُدا۔ اے حاکم و خلاّقِ اقدارِ عظیم
اپنی اُنگلی سے دِکھا بندوں کو۔ راہِ مستقیم
امن سو صدیوں کا اک بے کار، فرسُودہ رواج
آج دنیا مانگتی ہے تُجھ سے۔ محنت کا خراج
ایسے پیشہ ور بھکاری۔ درسِ عبرت کو تراش
مال چوری سے کریں جو۔ اپنی تحصیل معاش
مال تیرا ہو کہ میرا۔ خُوشنما جنجال ہے
قوم کی جاگیر ہے۔ سوسوئٹی کا مال ہے
عِلم حاصل کر کے بھی لینا ہے کیا۔ اَطفال کو
رو رہا ہے مُلک سارا۔ نوکری کے کال کو
مُستقل آوارگی سے۔ کوئی دھندا ہے مفید
مانگنے کی مشق پختہ ہو تو ہے۔ فنِ سعید
کچھ ہُنر سیکھے گا بچّہ تو۔ کما کھائے گا کچھ
بعد ازاں اپنے گھِرانے کے بھی۔ کام آئیگا کچھ

اداریہ

کارکنوں کے نام

مغربی پاکستان میں جماعتِ اسلامی، نیپ اور دائیں بازو کی دوسری سیاسی جماعتیں پاکستان پیپلز پارٹی کے خلاف متحدہ محاذ بنا کر سرگرم عمل ہو چکی ہیں یہ موقع حکمران جماعت کی جاگیردارانہ قیادت کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے عوام دشمن طاقتوں کو میسّر آیا ہے۔ حالات اس نوبت تک پہنچ چکے ہیں کہ جذبات کی رَو میں بہہ کر بائیں بازو کے بعض مخلص، بےلوث اور دیانتدار کارکن بھی جماعتِ اسلامی اور اس کے اتحادیوں کی مہم میں نہ صرف برابر کے شریک ہیں بلکہ ان سے بھی سبقت لے جانا چاہتے ہیں ـــــ!

سرمایہ داروں کے اخبارات آزادیٔ صحافت کی آڑ میں نادر پدر آزادی کے مظہر بنے ہوئے ہیں۔ یہی وہ اخبارات ہیں جنہوں نے ایوب آمریت اور یحییٰ خانی دورِ استبداد کے دوران عوام دوست صحافیوں کو اخبارات سے نکال دیا۔ یہ عمل بھی آزادیٔ صحافت اور نظریۂ پاکستان کے نام پر مکمل ہوا تھا۔ آج یہ اخبارات عوام کے جذبات کو بھڑکانے، مزدوروں کو مزدوروں سے، کسانوں کو کسانوں سے اور غریبوں کو غریبوں سے لڑانے، قتل و غارت کا بازار گرم کرنے اور لاقانونیت پھیلانے میں مصروف ہیں۔ جماعتِ اسلامی مشرقی پاکستان کی طرح مغربی پاکستان میں بھی مسلّح تنظیمیں قائم کر رہی ہے۔ الشمس اور البدر کو منظّم کیا جا رہا ہے اور ہتھیار تقسیم کیے جا رہے ہیں۔ اس میں تحریکِ استقلال کے اصغر خان کا کردار نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

عوام دشمن طاقتوں کی یہ سرگرمیاں نئی نہیں۔ جماعتِ اسلامی اور نیپ کا اتحاد بھی تعجب خیز نہیں لیکن ان سرگرمیوں میں ان لوگوں کا شریک ہونا قابلِ غور ہے جو بظاہر ان طاقتوں کے خلاف ہیں لیکن اب عملی طور پر ان کے ساتھ مل گئے ہیں۔ وہ اسے تضادات کا نام دیں گے۔ لیکن یہ کیسا تضاد ہے کہ قیادت جماعتِ اسلامی کر رہی ہے اور بائیں بازو کے کارکن اس کی دُم بن گئے ہیں۔

باقی صفحہ ۳۲ پر ملاحظہ فرمائیں

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ
الفتح
کراچی

جلد۔ ۳ شمارہ۔ ۱۱

۲۷ جولائی۔ ۳ اگست ۱۹۷۲ء

نگران
شوکت صدیقی

مدیر
ارشاد راؤ

نائب مدیر
وہاب صدیقی

سرورق: انور سمیع

بدلِ اشتراک — فی پرچہ — سالانہ
۵۰ پیسے ۲۵ روپے ۱۳ روپے
ہوائی ڈاک سے: ۵۰ پیسے ۳۰ روپے ۱۶ روپے
بحرین، کویت: ۶۰ فلس دوبئی، قطر: ۵ درہم
سعودی عرب: ۵ قرش۔ انگلستان ۲ شلنگ ۶ پنس

مقام اشاعت
ہفت روزہ "الفتح"، ۷۰ ڈی نرسری کمرشل ایریا
پی ای سی ایچ ایس ـــ کراچی ۲۹

ایڈیٹر پبلشر: ارشاد راؤ

مطبع حقّی آفسٹ پریس لیاقت آباد۔ کراچی

ٹیلیفون: ۴۱۲۲۷۴

جناب صدر - ایک طیارہ آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہے



مصر نے روس کی منافقانہ چالوں کو بھانپ لیا

آغا مسعود حسین

مصر کے صدر جناب انور السادات نے گذشتہ روز ایک حکم جاری کیا جس میں مصر سے تمام روسی فوجی مشیروں کو ملک چھوڑ دینے کو کہا ہے۔ انہوں نے اس فیصلہ کی صرف اتنی وضاحت کی کہ "اب مصر کے بیٹے ان افراد کی جگہ اپنی فوجی ذمہ داریوں کو پورا کریں گے" — جناب سادات کے اس حکم سے مغرب کی دنیا میں قیاس آرائیوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا اور مغرب کے بعض اخبارات نے تو اس حکمنامے کے فوراً بعد ہی یہ کہا کہ "روس کو مشرق وسطیٰ میں اپنی حکمت عملی کا سب سے گہرا صدمہ پہنچا ہے۔

"اب مصر زیادہ موثر طریقہ سے مشرق وسطیٰ میں امن کے قیام کو ممکن بنا سکتا ہے" — صدر سادات نے اپنے عوام کا دل جیت لیا وغیرہ — ایک حقیقت جو سامنے ابھر کر آتی ہے وہ انور السادات کی قیادت میں روس اور مصر کے تعلقات میں مسلسل کشیدگی پیدا ہو رہی ہے۔ دراصل مصر اور روس کے نئے سیاسی حالات کا تعین اتنی مشکل بات نہیں ہے جتنی مشکل بات روس کا اس حکمنامہ کے بعد رویہ ہو گا کیونکہ بنگلہ دیش کے قیام میں ہندوستان کی مدد اور تعاون سے روسی حکمت عملی بڑی کامیاب ثابت ہوئی اور روس اس طرز کی حکمت عملی کا مظاہرہ مشرق وسطیٰ میں کرنا چاہتا تھا لیکن بہت جلد مصر کے عوام نے اس کی منافقانہ چالوں کو بھانپ لیا اور روسیوں کو مصر سے نکلتے ہی بن پڑی۔

روس اور مصر کے تعلقات میں کشیدگی صدر ناصر کے زمانہ میں شروع ہو چکی تھی — کیونکہ مرحوم ناصر نے کئی بار اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا کہ "اگر روسی سفیر انہیں حملہ کرنے سے نہیں روکتا اور یقین دہانی نہیں کراتا تو آج اسرائیل ہماری زمینوں پر قابض نہیں ہوتا" — حقیقت میں جب صدر ناصر نے خلیج عقبہ کی ناکہ بندی کی تو دنیا کو یہ یقین ہو چلا تھا کہ کسی لمحہ اسرائیل اور مصر کے مابین جنگ چھڑ جائے گی — بعض طاقتوں مثلاً برطانیہ اور فرانس نے خلیج عقبہ کی ناکہ بندی ختم کرانے اور اسرائیل اور مصر کے درمیان جنگ ختم کرانے کے لئے اپنی خدمات پیش کر دی تھیں اور سفارتی سطح پر ہر ملک کا سفیر امن کی کوششوں میں، مصروف تھا — صدر ناصر نے اپنے تمام فوجیوں کو تیار رہنے کا حکم دے دیا تھا کہ اچانک رات کے بارہ بجے روسی سفیر صدر ناصر کے پاس آیا اور کہا کہ "ہمیں امریکہ نے یقین دلایا ہے کہ اسرائیل حملہ نہیں کرے گا، اس لئے روسی حکومت آپ سے درخواست کرتی ہے کہ آپ حملہ کرنے میں پہل نہ کریں" — روسی سفیر نے صدر ناصر کو یہ پیغام کوسیجن اور صدر جانسن کے درمیان ہاٹ لائن پر ہونے والی گفتگو کے نتیجہ میں دیا تھا۔ صدر ناصر کو اس بات کا یقین آ گیا اور انہوں نے اپنے فوجیوں کو اسرائیل پر حملہ نہ کرنے کی ہدایتیں دے دیں، لیکن دوسرے دن صبح اسرائیل مصر پر بھرپور فضائی اور زمینی حملہ شروع کر چکا تھا۔ اس چھ دن کی جنگ میں مصر کا کروڑوں روپے کا نقصان ہوا۔ اس کے علاقوں پر اسرائیل نے قبضہ کر لیا اور مصر اسرائیل سے جنگ ہار گیا — صدر ناصر کو سب سے بڑا صدمہ اس بات پر ہوا جب اسرائیلی حملے کے دوران انہوں نے روسی سفیر کو بلوا کر پوچھا کہ اب مصر کو کیا کرنا چاہیئے۔

"اس پر روسی سفیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جناب صدر ایک طیارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ آپ اس پر بیٹھ کر کہیں بھی جا سکتے ہیں"

یہ سنتے ہی صدر ناصر کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور بقول خود ان کے "جی میں آیا کہ زور کا تھپڑ رسید کر دوں لیکن سفارتی آداب کا خیال کر کے خاموش ہو گیا" — صدر ناصر نے اس جنگ کے اثرات کو بڑے گہرے صدمہ سے قبول کیا اور اسی طرح پوری قوم نے — سب سے پہلا شخص جس نے روس کی مشرق وسطیٰ میں حکمت عملی کے خلاف آواز اٹھائی وہ محمد حسنین ہیکل مدیر "الاہرام" اخبار تھے۔

انہوں نے جنگ کے خاتمہ کے فوراً بعد لکھا کہ "روس بین الاقوامی سامراج کے صلاح مشورے سے اپنی حکمت عملی ترتیب دیتا ہے جو قومی آزادی کی جدوجہد کے عین منافی ہے۔ روس نے امریکہ کے کہنے پر مصر کو ایک ایسے حملے سے باز رکھا جس میں جیت ہماری تھی، لیکن آج مصر کی شکست کی اصل وجہ محض روسی حکمت عملی تھی۔ جس پر ہم نے بھروسہ کیا۔ مصری قوم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آزادی کی جدوجہد دوسری قوم پر تکیہ کر کے نہیں لڑی جاتی ہے بلکہ قومیں خود اپنی قسمت کا فیصلہ آپ کرتی ہیں......" الاہرام کے اس اداریہ نے مصری قوم کو سوچنے پر مجبور کر دیا اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ "دراصل جنگ میں کسی بھی قوم کو اپنے فیصلہ پر بھروسہ کرنا چاہیئے" مصر میں جنگ کے تھوڑے ہی دن بعد روس کے خلاف عوام میں نفرت کی لہر دوڑ گئی اور حسنین ہیکل کے ہر اداریہ نے روس کی حکمت عملی کو بے نقاب کیا۔ روسی حکومت ہیکل کے اداریے پڑھ کر تلملا اٹھی اور انہوں نے صدر ناصر اور ان کی موت کے بعد انور السادات سے کہا کہ

"ہیکل کو اخبار الاہرام کی ادارت سے ہٹا دیا جائے

اور ان پر مصر اور روس کے تعلقات کو بگاڑنے

پر مقدمہ چلایا جائے۔"

صدر ناصر روسی حکومت کے اس مضحکہ خیز مطالبہ پر بہت ہنسے انہوں نے ہیکل سے کہا کہ "وہ مصری عوام کے سامنے جنگ کے اصل اسباب اور شکست کا صحیح تجزیہ پیش کرتے رہیں۔ روسی حکومت صدر ناصر کے رویہ اور بعد میں انور السادات نے جن ماسکو نواز فوجیوں پر مقدمہ چلایا بہت خفا تھی — انور السادات نے ماسکو نواز فوجیوں کو گرفتار کرنے کے بعد روس سے کہہ دیا تھا کہ "اب وہ مصر کے اندرونی معاملات میں مداخلت سے باز رہے" — مصری عوام صدر سادات کی قیادت میں جنگ کے نتائج کو ختم کرنے کے لئے قومی آزادی کی جدوجہد میں مصروف ہو گئے اور انہوں نے اسرائیل سے مقبوضہ علاقے خالی کرانے کے لئے جنگی تیاریاں شروع کر دیں لیکن روس نے صدر سادات کو ایک خط لکھا جو بعد میں دنیا کے سارے

باقی صفحہ ۳۳ پر ملاحظہ فرمائیں

ظاہری خبریں اندرونی کہانیاں

کلفٹن میں سرمایہ داروں کا خُفیہ جلسہ

اردو مہم کے لئے ۲۰ لاکھ کی رقم کس طرح تقسیم ہوئی؟

الفتح رپورٹ

کراچی میں ۱۸ر جون ۱۹۷۲ء کو کلفٹن کی ایک شاندار کوٹھی میں سرمایہ داروں کا ایک خفیہ اجتماع ہوا۔ یہ جلسہ رات کے گیارہ بجے شروع اور تین بجے تک جاری رہا۔ اس میں بڑے صنعتی اور تجارتی اداروں کے دس نمائندے شریک ہوئے۔ یہ خفیہ اجتماع مزدوروں کی دس روزہ کامیاب ہڑتال اور اُس سے پیدا ہونیوالی تشویشناک صورتحال پر غور کرنے کے لئے بلایا گیا تھا۔

بتایا جاتا ہے کہ اس خفیہ جلسے میں صنعت کاروں کے ساتھ ساتھ اخبارات کا کاروبار کرنے والے ایک سرمایہ دار خانوادے کے نمائندے نے سب سے اہم کردار ادا کیا۔ یہ ایک ذہین نوجوان ہیں۔ روانی سے انگریزی بولتے ہیں۔ بیرونی ممالک میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔ صنعت کاری اور کاروبار کے بجائے سیاست میں گہری دل چسپی رکھتے ہیں۔ انہیں سوشلسٹ کہا جائے تو خوشنودی کا اظہار کرتے ہیں۔ کسی زمانے میں فیض احمد فیض کو اپنا "روحانی پیشوا" سمجھتے تھے۔ اب ان سے ناراض ہیں۔ انہوں نے اس موقع پر پہلے سے تیار کی ہوئی ایک رپورٹ پیش کی جو ٹائپ شدہ ۲۰ صفحات پر مشتمل تھی۔

اس رپورٹ میں ملک کی موجودہ سیاسی صورتِ حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے بتایا گیا کہ پیپلز پارٹی اندرونی خلفشار میں مبتلا ہے۔ اس میں گروہ بندیاں ہیں۔ ذاتی رنجشیں ہیں۔ بحیثیت سیاسی جماعت اس کا سیاسی وجود ختم ہو رہا ہے بلکہ ختم ہو چکا ہے۔ اس جماعتی خلفشار کا اثر پیپلز پارٹی کی حکومت پر بھی شدت کے ساتھ پڑ رہا ہے۔ وہ عوام میں تیزی کے ساتھ غیر مقبول ہوتی جا رہی ہے۔ صنعت کار پیپلز پارٹی کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی حکومت اپنے قابو میں لا سکتے ہیں۔ مگر فی الحال یہ ممکن نہیں۔ سبب اس کا یہ ہے کہ پیپلز پارٹی میں بائیں بازو سے تعلق رکھنے والا ایک ایسا گروہ موجود ہے جو ہر چند کہ طاقت ور نہیں مگر ایک مؤثر قوت ضرور ہے۔ اس سلسلے میں معراج محمد خاں، شیخ محمد رشید اور ملک معراج خالد کے ناموں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا۔

رپورٹ میں مزید بتایا گیا کہ بائیں بازو کے اس گروہ کی موجودگی میں سرمایہ داروں کا پیپلز پارٹی کی حکومت کے ساتھ کوئی مضبوط اتحاد نہیں ہو سکتا۔ لہذا ایک ہی صورت ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ طرح طرح کے مسائل پیدا کر کے نظم و نسق درہم برہم کر دیا جائے اور اس طرح حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر ایک ہی قوت سامنے آتی ہے اور وہ ہے فوج۔ بلاشبہ جماعت اسلامی اور دائیں بازو کی ایسی ہی دوسری جماعتیں فوجی حکومت کے حق میں ہیں۔ وہ نہ صرف اس کا خیر مقدم کریں گی بلکہ اس کے ساتھ پورا پورا تعاون بھی کریں گی۔

مگر عوام کی بڑی اکثریت فوجی حکومت کو ہرگز تسلیم نہ کرے گی ان کا ردِ عمل بڑا شدید ہوگا۔ جماعت اسلامی اور ایسی ہی دوسری اسلام پسند جماعتیں ایسی مؤثر قوت نہیں کہ وہ اس عوامی ابھار کا مقابلہ کر سکیں۔ لہذا نتیجہ اس کا خانہ جنگی ہو سکتا ہے۔ دوسری طرف فوج کی مخالف قوتوں کو بھارت سے مدد ملنے کے امکانات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں مشرقی پاکستان کے حالات کو نہیں بھولنا چاہیئے۔ فوج بھی اس صورتِ حالات کو بخوبی سمجھتی ہے۔ لہذا اس مرحلے پر وہ اقتدار سنبھالنے کے بجائے حکومت سے تعاون کرنے کو ترجیح دے گی۔

لیکن ضروری نہیں کہ وہ حکومت پیپلز پارٹی کی ہو۔ حکومت کسی بھی جماعت کی ہو فوج اس کے ساتھ ساتھ پورا تعاون کرے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ پیپلز پارٹی کے بعد حکومت کس سیاسی جماعت کی ہو؟ جماعت اسلامی کا اثر بڑی حد تک اردو بولنے، مہاجرین اور بعض شہروں کے متوسط طبقے تک ہے۔ وہ نہ کبھی بڑی سیاسی قوت تھی۔ نہ ہے اور نہ آئندہ ہونے کا امکان ہے۔ یہی حال دائیں بازو کی دوسری جماعتوں کا ہے۔ عوام کی بجائے ان کی قوت کا انحصار صرف اخبارات اور پروپیگنڈے پر ہے۔ ان کی اس اخباری قوت کا بھرم پچھلے انتخابات میں پوری طرح کھل گیا۔ ہم نے "جیتنے والا گھوڑا" سمجھ کر ان پر تکیہ کیا اور زبردست نقصان اٹھایا۔ مشرقی پاکستان کا مارکیٹ ہاتھ سے گیا اور وہاں کی صنعتوں میں لگا ہوا اربوں روپے کا سرمایہ بھی گیا۔

اس رپورٹ میں آگے چل کر بتایا گیا کہ اس وقت ایک ہی سیاسی جماعت ہے۔ اور وہ ہے نیشنل عوامی پارٹی جو ایک بڑی سیاسی قوت کی حیثیت سے ابھر رہی ہے۔ ولی خاں ایک بڑے قومی رہنما کے روپ میں سامنے آ رہا ہے۔ وہ سوشلسٹ ہرگز نہیں۔ زیادہ سے زیادہ اسے نیشنلسٹ کہا جا سکتا ہے۔ وہ ہماری طرف دستِ تعاون بڑھا چکا ہے۔ ہمیں اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کرنا چاہیئے۔ نیشنل عوامی پارٹی ہمارے لئے اس وقت نہایت کارآمد ہو سکتی ہے۔ وہ ہنوز بڑی سیاسی قوت نہیں۔ ہمیں اس کو بڑی سیاسی قوت بنانا ہوگا تاکہ وہ ہمارے مفادات کا تحفظ کر سکے۔ اسے سیاسی اقتدار کی ضرورت ہے اور ہمیں پاکستان میں سرمایہ داری کے مستقبل کو محفوظ کرنے کی۔

بتایا جاتا ہے کہ اس رپورٹ کو بہت پسند کیا گیا۔ لیکن تین نمائندوں نے بعض باتوں سے اختلاف رائے کیا۔ ان کا مؤقف یہ تھا کہ چونکہ قومی اسمبلی میں پیپلز پارٹی کی اکثریت ہے۔ لہذا اس کی حکومت کے خاتمے کے بعد کسی سیاسی جماعت کے بجائے صرف فوج ہی اقتدار سنبھال سکتی ہے۔ ایسی صورت میں فوج اور اس کی مددگار دائیں بازو کی سیاسی جماعتوں کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا جائے۔ اس اختلاف رائے پر بحث شروع ہو گئی۔ جس کا سلسلہ گھنٹہ بھر تک چلتا رہا۔ نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ نمائندے دو حلقوں میں بٹ گئے۔ اور اس مسئلہ کو طے کرنے کے بجائے یہ طے کیا گیا سب سے پہلے مزدوروں کی بڑھتی ہوئی قوت کو توڑنے کے لئے کوئی منصوبہ بنایا جائے۔

اس اجتماع میں بہت سے ایسے مسئلے سامنے آئے جن سے سرمایہ داروں کے مفادات پر زد پڑنے کے بجائے صرف حکومت پر زد پڑتی تھی اور جو عوام میں بے چینی اور انتشار کا سبب بن سکتے

ایک اخبار کو لندن میں پانچ لاکھ روپے ادا کئے گئے

تھے۔ سنا ہے کہ ایک بڑے بنک کے نمائندے نے جن کا تعلق یوپی سے ہے، مہاجرین اور اُردو کے مسئلہ پر خاص طور پر زور دیا۔ لسانی تنازعہ ان دنوں گرم بھی تھا۔ لہٰذا متفقہ طور پر طے کیا گیا کہ اس مسئلہ کو آگے بڑھایا جائے اور ایک مؤثر حربے کے طور پر استعمال کیا جائے۔

چنانچہ تین ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی گئی۔ پہلے مرحلے کے لئے بیس لاکھ کا فنڈ منظور کیا گیا۔ اور یہ طے کیا گیا کہ اس فنڈ میں کس کا کتنا حصہ ہوگا۔ کون کتنی رقم دے گا۔ کمیٹی کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ سیاسی جماعتوں اور دوسری تنظیموں سے رابطہ قائم کرنے اور ہر ایک کو اس کی سیاسی اہمیت کے مطابق رقم دی جائے۔

اس خفیہ جلسے کے چوتھے دن ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی کے ایک بنگلے میں ایک اور خفیہ اجتماع ہوا۔ اس جلسے میں جن لوگوں نے شرکت کی۔ ان میں سرمایہ داروں کی کمیٹی کے علاوہ جماعت اسلامی اور نیپ کے چار مقامی رہنما، صوبائی اسمبلی میں حزب اختلاف کے دو ارکان، طلباء کی ایک تنظیم کے ایک رہنما، شعبۂ تعلیم سے تعلق رکھنے والے ایک پروفیسر، اُردو کے ایک دانش ور اور اخباری صنعت کے ایک ممتاز رکن شامل تھے۔

اس خفیہ جلسے میں طے کیا گیا کہ اُردو کے سوال کو پوری شدت کے ساتھ اٹھایا جائے۔ ہڑتالیں اور مظاہرے کئے جائیں۔ اس مقصد کے لئے جو رقم دی گئی وہ اس طرح تقسیم ہوئی کہ ایک اخبار کو پانچ لاکھ روپے زرِ مبادلہ کی صورت میں لندن میں ادا کئے گئے۔ ایک سیاسی جماعت کو چھ لاکھ اور دو جماعتوں کو ان کی اہمیت کے مطابق تین تین لاکھ کی رقم دی گئی اور تین لاکھ روپے انفرادی طور پر بعض لوگوں کو دیے گئے۔

اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا کام اخبارات سے شروع ہوا۔ ایسی اشتعال انگیز خبریں اور مضامین شائع کئے گئے کہ اردو سے محبت رکھنے والے ذہنوں میں جو انتشار اور بے چینی پہلے سے موجود تھی وہ شدت اختیار کر گئی۔ اس طرح اسمبلی میں سندھی زبان کا بل پیش ہونے سے پہلے ہی زبان کے مسئلہ پر کشیدگی اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔

اس مہم میں مختلف لوگ مختلف حیثیت سے شامل ہوئے۔ کچھ تو وہ تھے جو سرمایہ داروں کی سازش میں براہ راست شریک تھے۔ کچھ ایسے تھے جنہیں اردو کا واقعی درد تھا۔ اور کچھ ایسے تھے۔ جو اپنی نااہلی اور بدعنوانیوں کے باعث یونیورسٹی اور دوسرے اداروں سے برطرف ہوئے تھے اور حکومت سے انتقام لینا چاہتے تھے۔ یا اس پر دباؤ ڈال کر اپنی ملازمت بحال کرانا چاہتے تھے۔

لیکن یہ مہم جوں جوں آگے بڑھی۔ اُردو کے مخلص کارکن کٹتے گئے یا انہیں کاٹ دیا گیا۔ اردو کی حمایت میں جو مظاہرہ ہوا اس میں پروفیسر مجنوں گورکھپوری اور ڈاکٹر شوکت سبزواری بھی شریک ہوئے۔ بعد میں "اردو تحریک" کے کسی جلسے میں انہیں شریک نہیں کیا گیا۔ نہ ان کا نام سننے میں آیا۔ اس طرح اس مہم میں صرف ایسے لوگ رہ گئے جو سیاست دان تھے یا علم وادب کے راستے سیاست میں داخل ہوئے تھے۔ وہ یا تو جماعت اسلامی کے ہمنوا اسلام پسند تھے یا نیپ کے ہم خیال تھے۔ ان میں نہ کوئی ماہر لسانیات تھا، نہ محقق تھا، نہ نقاد تھا، نہ ممتاز ادیب و شاعر تھا۔ نہ علم و ادب کا کوئی شیدائی تھا، نہ اردو کا کوئی دیرینہ خدمت گزار تھا۔

اور یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا کہ مقصد اُردو کا بول بالا کرنا نہ تھا صرف ہنگامہ برپا کرنا تھا۔ خود عوام بھی اس حد تک جانے کے لئے تیار نہ تھے۔ جس حد تک پولیس فائرنگ اور دوسرے حالات نے انہیں پہنچا دیا۔ چنانچہ ۷ جولائی کو جب ہڑتال کرنے کی اپیل کی گئی تو صبح کے وقت تمام دکانیں کھلی تھیں۔ بازاروں میں گہما گہمی تھی۔ اسکول اور کالج کھلے تھے۔ سڑکوں پر ٹریفک رواں دواں تھا۔ سرکاری اور غیر سرکاری کاروباری اداروں میں، ملوں اور کارخانوں میں معمول کے مطابق کام کا آغاز ہوا۔

۷ جولائی کی صبح ایک عام مصروف صبح تھی۔ کہیں دور دور تک ہڑتال کا نام ونشان نہ تھا لیکن دس بجتے بجتے اردو بولنے والے مہاجرین کی آبادیوں لیاقت آباد، گولی مار، ناظم آباد اور پاپوش نگر میں اچانک نوجوانوں کے غول کے غول نمودار ہوئے اور توڑ پھوڑ شروع کر دی۔ بسوں، رکشاؤں، ٹیکسیوں اور کاروں پر پتھراؤ شروع کر دیا۔ یہ ہنگامہ کرنے والے طالب علم نہ تھے۔ بیشتر ان علاقوں کے رہنے والے بھی نہ تھے۔ کہاں سے آئے تھے کیسے آئے تھے؟ یہ راز جماعت اسلامی اور نیپ کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں۔

سرمایہ داروں کی خفیہ میٹنگ میں اُردو کا ایک دانشور بھی شریک ہوا۔

غرضیکہ اس توڑ پھوڑ اور ہنگامہ آرائی سے دکاندار بدحواس ہو گئے۔ کھٹا کھٹ دکانیں بند ہونے لگیں۔ سڑکوں پر سے بسیں اور دوسری سواریاں غائب ہونے لگیں۔ لوگ دہشت زدہ ہو کر گھروں کو بھاگے۔ بازار سنسان پڑ گئے۔ سڑکیں ویران ہو گئیں اس طرح ہڑتال ہو گئی۔ پھر توڑ پھوڑ کرنے والوں کے ساتھ یہ ہڑتال بندر روڈ برنس روڈ اور صدر پہنچی۔

پہلے روز جو کچھ ہُوا وہ اُردو کے نام پر ہڑتال تک محدود تھا۔ دوسرے دن ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق لیاقت آباد میں سندھیوں کا ایک ہوٹل اور ان کے چار ٹرک نذرِ آتش کیے گئے۔ یونیورسٹی میں جماعتِ اسلامی کے کارکن طلبا نے شعبۂ سندھی کو جلا دیا۔ شام ہوتے ہوتے سندھی آبادیوں پر حملے شروع ہو گئے۔ رات ہوئی تو "اُردو تحریک" سندھی مہاجر فسادات کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ اس کا ردِ عمل اندرونِ سندھ کے شہروں میں ہُوا۔ جماعت اسلامی کے ہمنوا اخبارات نے بڑھا چڑھا کر اور اشتعال انگیز بنا کر شائع کیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ فسادات جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر شہر قریہ قریہ پھیل گئے۔ ہر طرف قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو گیا۔

پھر یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ جماعتِ اسلامی کے وہ کارکن جو انتخابات کے دوران دیواروں پر اسلامی نظام اور اسلامی آئین کی حمایت میں جگہ جگہ نعرے لکھے تھے۔ اللہ اور رسولؐ کا واسطہ دے کر ووٹوں کی بھیک مانگتے تھے۔ وہی نوجوان اور ان کے ہم خیال اسلام پسند کوئلے سے چاک سے، پکے رنگ سے، "کچے" رنگ سے جگہ جگہ پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کے بارے میں ایسی گالیاں لکھتے پھرتے تھے کہ ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کی عزت و ناموس سر بازار رسوا ہوئی۔ دیواروں پر، دکانوں پر۔ سڑکوں پر گالیاں ہی گالیاں نظر آنے لگیں۔ بچوں اور بچیوں کے اسکولوں، حتیٰ کہ مسجدوں کی دیواروں تک کو نہ چھوڑا گیا۔ انسانی تاریخ نے اب تک در و دیوار اتنی غلیظ گالیاں، اتنی بے غیرتی، اتنی بے حیائی نہ دیکھی ہو گی۔

ان تحریروں نے اردو زبان کو گالیوں کی زبان بنا دیا اس کی شائستگی، حرمت اور پاکیزگی کا جنازہ نکال دیا لیاقت آباد، ناظم آباد، گولی مار، پاپوش نگر کے در و دیوار آج بھی ماتم کناں ہیں کہ "ظالمو اپنی اس ذہنی غلاظت کو اب تو اٹھاتے جاؤ!"



سابق وزیروں اور
نوکر شاہی کا
"اُردو متحدہ محاذ"

انگریزی کے محافظ

راتوں رات اردو تحریک کے قائد بن گئے

نسیم شاد

پچھلے دنوں زبان کے سوال پر سندھ میں جو کچھ ہوا وہ شرم سے ہمارا سر جھکا دینے کے لئے کافی ہے۔ پورا سندھ دھوئیں کے بادلوں میں چھپ گیا۔ گھر گھر صفِ ماتم بچھ گئی۔ کئی قیمتی جانیں ضائع ہوئیں۔ قومی املاک کو نقصان پہنچا۔ شہری زندگی میں تعطل پیدا ہو گیا۔ کارخانے بند رہنے اور بندرگاہ پر کام نہ کرنے کی وجہ سے ملکی معیشت کو کروڑوں روپے کا نقصان اٹھانا پڑا۔ اِن تمام نقصانات سے زیادہ بڑا اور خطرناک نقصان یہ ہوا کہ محض چند موقع پرستوں نے اپنے مفادات کی تکمیل کی غرض سے دلوں میں نفرت کا ایک ایسا بیج بو دیا۔ جن کے اثرات کو ختم کرنے کے لئے سالوں درکار ہوں گے۔

جذبات سے قطع نظر، اگر حقیقت پسندی سے ان واقعات کا جائزہ لیا جائے تو یہ افسوس ناک حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ ان تمام ہنگاموں سے نہ اردو کو کوئی فائدہ پہنچا اور نہ ہی سندھی کو کوئی نقصان ہوا۔ دونوں زبانیں اپنی اپنی جگہ پر موجود ہیں اور موجود رہیں گی۔ البتہ دونوں زبانیں بولنے والے وقتی طور پر ایک دوسرے سے دور ہو گئے ہیں اور فائدہ صرف ان موقع پرستوں نے اٹھایا جو مسائل کی طرف سے عوام کی توجہ ہٹانا چاہتے تھے۔ یا پھر ان ہنگاموں سے ان قوتوں کو اپنی لیڈری چمکانے اور اپنی ساکھ بحال کرنے کا موقع ملا ہے جو گزشتہ انتخابات میں عوامی اعتماد حاصل کرنے میں ناکام رہی تھیں۔ مارا صرف غریب گیا ہے۔ نقصان صرف غریبوں کا ہوا ہے اور جس میں چنگاری ڈال کر تماشہ دیکھنے والے آج بھی اپنے ائیرکنڈیشنڈ کمروں میں بیٹھے انگریزی رسالے اور انگریزی کتابیں پڑھ رہے ہیں۔ اور مہاجر مزدوروں اور سندھی ہاریوں نے مل کر لوٹنے والوں کے خلاف جو مشترکہ جنگ شروع کی تھی اس کے شعلے بجائے اس کے کہ ان کے مشترکہ دشمنوں کے عزائم کو خاک کرتے خود ان کے گھروں کو پھونکنے لگے اور یوں صدیوں سے ظلم، جبر اور استحصال کی چکی میں پسنے والے یہ مظلوم اپنے مشترکہ دشمن کے وجود پر کوئی کاری ضرب لگائے بغیر ان کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس کر آپس میں دست و گریباں ہو گئے۔

ذرا سوچو، غور کرو، دوستوں کے چہروں میں اپنے دشمنوں کے چہروں کو پہچانو۔ جذباتی ہونا اچھے لوگوں کی پہچان ہے۔ لیکن جذبات میں آکر اپنے راستے کو چھوڑ دینا بے وقوفی اور حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ منزل پر پہنچنے سے پہلے تمہیں راستے سے بھٹکانے کے لیے لوگ بھیس بدل بدل کر تمہارے سامنے آئیں گے۔ سوچو کیا تم ساری زندگی استحصال کے اندھیروں میں بھٹکتے رہنا چاہتے ہو۔ کیا تم نے اپنے سفر کا آغاز راستے کی بھول بھلیوں میں کھو جانے کے لئے کیا ہے۔ کیا تمہارے شہیدوں کا لہو ہمیشہ کچھ موقع پرستوں کی کلاہیں کج رکھنے کے لئے استعمال ہوتا رہے گا۔ ساتھیو، دوستو، یہ لہو بڑا مقدس ہے۔ اس گرم لہو کی حرارت کو سندھی اور مہاجر کے جھگڑے میں پڑ کر ضائع نہ ہونے دو، اس نعرے کو سمجھو۔ اس کے پیچھے چھپی ہوئی سازش کی بو کو محسوس کرو۔ یہ تمہاری صفوں کو کمزور کرنے کے لئے کی گئی ہے۔ یہ تمہارے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنے کے لئے عمل میں آئی ہے۔ محنت کرنے والوں کی کوئی زبان نہیں ہوتی، ساری دنیا کے محنت کش چاہے وہ کوئی بھی زبان کیوں نہ بولتے ہوں ایک ہیں، ان کا مقصد ایک ہے۔ منزل ایک ہے، نعرہ ایک ہے۔

قومیتیں اور زبانیں انسان کا پیٹ نہیں بھرتیں۔ اس بات کو نہایت سنجیدگی کے ساتھ محسوس کرنے کی ضرورت ہے کہ مختلف زبانیں اور مختلف قومیتیں رکھنے کے باوجود پنجاب،

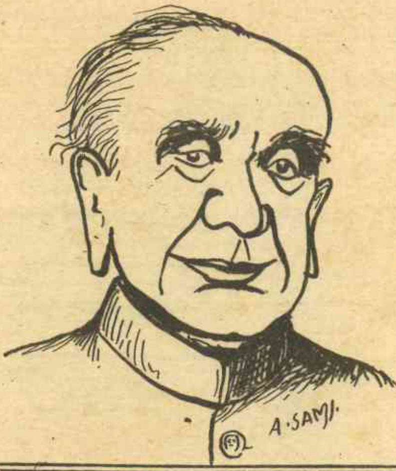
الفتح



نواب اور سیّد کا

مشترکہ مقصد

جاگیرداروں کا تحفظ



سرحد، بلوچستان اور سندھ کے محنت کشوں کے مسائل ایک ہیں۔ ہر صوبے میں مختلف زبان اور مختلف قومیت ہونے کے باوجود ظالم جاگیردار اور سرمایہ دار مظلوم عوام پر ہمیشہ ظلم کرتے آئے ہیں۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ سندھی بولنے والا وڈیرہ سندھی بولنے والے ہاری کو سینے سے لگاتا رہا ہو یا اردو بولنے والے سرمایہ دار نے اردو بولنے والے مزدوروں کا استحصال نہ کیا ہو۔ ہم محنت کش ان ظالموں کے بہکانے میں آکر آج زبان کے سوال پر آپس میں دست و گریباں ہیں۔ ہم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ان کی کوئی زبان نہیں ہوتی۔ ہمیں اردو سندھی جھگڑے میں الجھانے والے ان ظالموں کو نہ اردو سے کوئی محبت ہے نہ سندھی سے کوئی پیار۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی زبان ان کی زبان نہیں۔ ان کی زبان تو مکاری ہے۔ عیاری ہے، موقع پرستی اور مصلحت پسندی ہے جس زبان سے ان کے مفادات کو فائدہ ہو سکتا ہے وہی ان کی زبان قرار پائی ہے۔

وڈیروں، سرمایہ داروں اور ان کے ایجنٹوں کے پیدا کردہ نفرت کے فرضی ماحول میں ہم نے سندھ میں جو کچھ کیا ہے اس پر ہمیں ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ان ہنگاموں کے شعلے اگرچہ ماند پڑ گئے ہیں لیکن چنگاریاں اب بھی سلگ رہی ہیں۔ ان کی شدّت کم ہو چکی ہے لیکن دلوں میں، نفرت اور کدورت کی میل ابھی تک جمی ہوئی ہے۔ ذہن عصبیت اور تنگ نظری سے ابھی تک صاف نہیں ہوئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جذبات کا بھڑکایا ہوا یہ الاؤ ابھی تک کیوں روشن ہے اس کی راکھ وقت کی تیز ہوا کے ساتھ اڑ کیوں نہیں جاتی۔

آیئے ان سب باتوں پر غور کرتے ہوئے ان حالات اور واقعات کا جائزہ لیں جنہوں نے سندھ کے محنت کشوں کی مشترکہ جدوجہد کو سندھی اور اردو کے خانوں میں تقسیم کر کے اس کی شدّت کو کم کر دیا ہے۔

پاکستان پیپلز پارٹی نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات سوشلزم کے نعرے پر جیتے تھے۔ یہ نعرہ ہمارے ملک کے ایک مخصوص مراعات یافتہ طبقے اور اس کے ایجنٹوں کو کبھی پسند نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے انتخابات سے قبل اس کی اپنے تمام وسائل کے ساتھ کھل کر اور شدّت کے ساتھ مخالفت کی۔ روپیہ، تعلقات، اندرونی اور بیرونی اثر کے ساتھ ساتھ ان لوگوں نے اس نعرے کا زور توڑنے کے لئے مذہب تک کو استعمال کیا۔ لیکن تبدیلی کے خواہاں عوام پر ان کا جادو نہ چل سکا اور انتخابات کا نتیجہ ان لوگوں کے حق میں رہا جو عوام دوستی کے دعوے کر رہے تھے۔ جنہوں نے عوام کو ظلم اور ستم کی صدیوں لمبی رات سے نجات دلانے کا عہد کیا تھا جو ملک میں مساوات اور برابری لانے کا پرچار کر رہے تھے۔

حکومت میں آنے سے پہلے تک پیپلز پارٹی کو عوام کی قوّت پر ناز تھا اور اسی کے بھروسے پر وہ بلند بانگ دعوے کرتی رہی تھی لیکن بدقسمتی سے برسرِ اقتدار آنے کے بعد جب اس پارٹی نے اپنے منشور پر عمل کرتے ہوئے انقلابی اقدامات کرنے چاہے تو جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور بیوروکریسی کی سازشوں سے گھبرا کر چند صنعتوں کو سرکاری کنٹرول میں لینے چند اصلاحات کا اعلان کرنے اور چند سرکاری ملازمین کو برطرف کرنے کے بعد اس میں یہ احساس پیدا ہو چلا کہ ملک کے مضبوط اور با اثر سرمایہ داروں اور نوکر شاہی سے ٹکر لینے کے لئے فی الحال وقت سازگار نہیں ہے۔ دوسرے معنوں میں اُس نے عوام کی قوّت پر بھروسہ کرنے کی بجائے سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کی شاطرانہ چالوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

سرمایہ داروں نے نوکر شاہی کے توسط سے ملوں میں تالہ بندی اور چھانٹی کر کے مزدوروں میں بے چینی پھیلانی شروع کر دی۔ سرمایہ دار، حکومت اور اس کی ابتدائی اصلاحات کو بے اثر کرنے کے لئے میدان میں نکل آئے اور انہوں نے اپنے ہتھکنڈوں سے ملکی معیشت کو مزید نقصانات پہنچا کر حکومت کو وقتی طور پر اصلاحات پر عمل درآمد سے روک دیا۔

اس صورت حال کے نتیجے میں یقینی طور پر حکومت کے روّیے میں نرمی پیدا ہو گئی۔ جس سے خود حکمراں جماعت کے ان جاگیرداروں اور وڈیروں کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا جو پیپلز پارٹی کے انقلابی نعرے اپنا کر انتخابات جیت چکے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک انقلابی منشور کے باوجود پیپلز پارٹی اپنی، ہیئت کے لحاظ سے سابقہ کنونشن لیگ سے قطعی مختلف نہیں ہے۔ اس میں انقلابی سوچ اور انقلابی نقطۂ نظر رکھنے والے کارکنوں اور رہنماؤں کے ساتھ ساتھ اکثریت ایسے افراد کی ہے جن کا عوام سے کبھی براہ راست رابطہ نہیں رہا۔ ان لوگوں کے مفادات بھی یکسر مختلف ہیں اور ان کی سوچ کا انداز بھی جاگیردارانہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس پارٹی کے برسرِ اقتدار آنے کے تھوڑے عرصہ بعد ہی ان جاگیردار رہنماؤں نے پیپلز پارٹی کے منشور کی کھلم کھلا خلاف ورزیاں شروع کر دیں۔

مسٹر بھٹو بیرونی معاملات میں الجھ گئے۔ جنگ ہاری ہوئی قوم میں اعتماد پیدا کرنے، بیرونی ملکوں سے تعلقات استوار کرنے جنگی قیدیوں کی واپسی کے مسئلہ کو سلجھانے اور بنگلہ دیش کی چھچھوندر کا کوئی حل تلاش کرنے کی کوششوں میں ان کی مصروفیت کے دوران مسائل میں الجھے ہوئے عوام میں بے چینی پھیلنے لگی۔ مزدور سرمایہ داروں اور کسان جاگیرداروں کے مظالم کا شکار تھا انہوں نے جس تبدیلی کے خواب دیکھے تھے وہ آتے آتے رک گئی تھی لہٰذا ان کی بے چینی ایک بڑی جدوجہد کے لئے راہیں متعین کرنے لگی۔

یہ صورت حال ان سرمایہ داروں نوکر شاہی کے "کرپٹ" حکام اور جاگیرداروں کے لئے تشویش ناک تھی جنہیں حکومت کی مجبوریوں کی وجہ سے سنبھالا مل چکا تھا۔ لہٰذا اس سے نمٹنے کے لئے انہوں نے مشترکہ طور پر ایک سازش تیار کی اور اس پر عمل درآمد کے لئے سندھ کے صوبے کو میدان بنایا گیا اور یہاں زبان کے ڈائنامائٹ کی ڈوری کو آگ دکھا کر پھینک دیا گیا۔ یہ ڈوری آہستہ آہستہ سلگ رہی تھی۔ جو لوگ اس کے ذمہ دار تھے، وہ جانتے تھے کہ



اردو تحریک کے بدعنوان چہرے

جب یہ بارود پھٹے گا تو سندھ کا وڈیرہ اس کا شکار نہیں ہو گا۔ سندھ کا ہاری اور مزدور اس میں اڑ جائے گا۔ اس کے مسائل اور اس کی جدوجہد اس بارود کے ساتھ ریزہ ریزہ ہو کر ختم ہو جائے گی۔ اور جب اس بارود کا دھواں چھٹ جائے گی۔ تو ختم ہو جائے گی تو ہم بڑی آسانی کے ساتھ سندھی ہاری کو سندھی زبان کے کھلونے کا بہلاوہ دے کر اس کی توجہ اس کے مسائل کیطرف سے ہٹا دیں گے۔ سندھ کے سرمایہ دار اس سازش میں اس لئے شریک تھے کہ اتنا بڑا مسئلہ پیدا ہونے کے بعد وہ حکومت اور عوام کو مزدوروں کے مسائل کی طرف سے لاعلم رکھنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس کی تیاری انہوں نے اخبارات میں شائع ہونے والے اپنے ان بڑے بڑے اشتہارات کے ساتھ ہی شروع کر دی تھی، جس میں وہ عوام کو مستقل یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے تھے کہ ہم قصوروار نہیں ہیں، سارا قصور، مزدوروں کا یا اس حکومت کا ہے جس نے مزدوروں کو اتنا حوصلہ دیا ہے کہ وہ ہماری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے۔

اس تمام صورت حال کا ایک ایسی سیاسی جماعت بڑی خاموشی اور گہری نظروں سے مطالعہ کر رہی تھی جو اپنے تمام دعووں اور وسائل کے باوجود انتخابات میں بری طرح شکست کھا چکی تھی۔ یہ جماعت جمہوریت کی دعویدار ہے لیکن اپنے عمل سے یہ جمہوریت کی سب سے بڑی دشمن نظر آتی ہے۔ اس نے موجودہ حکومت کو کبھی تسلیم نہیں کیا وہ اس کے خلاف زہر پھیلانے اور اسے ناکام بنانے کے لئے ہر جمہوریت کش اور عوام دشمن اقدام کرنے کے لئے تیار رہتی ہے۔ چنانچہ جب اس نے دیکھا کہ اسے وڈیروں، سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کے اشتراک سے بننے والی ایک سازش کے نتیجے میں حکومت دشمنی کے اظہار کا موقع مل رہا ہے تو اس نے سندھ کی صوبائی اسمبلی میں چند جذباتی افراد کے توسط سے صوبے کی اُردو بولنے والی آبادی میں یہ تاثر عام کرنا شروع کر دیا کہ پیپلز پارٹی اردو کی دشمن ہے اور اگر اس کا پیش کردہ سندھی زبان کا بل پاس ہو گیا تو صوبہ سندھ میں آباد اردو بولنے والے نئے سندھیوں کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ اُردو زبان صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گی اور اردو بولنے والے گھروں میں سندھی آوازیں سنائی دیا کریں گی۔

یہ احساس مختلف ذریعوں اور افواہوں سے پھیلایا گیا۔ اور موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے اتنی عجلت کی گئی کہ زبان کا بل پیش ہونے سے پہلے اردو بولنے والوں کو عام ہڑتال کرنے کی لائن دے دی گئی۔ جذبات کو بعض اخبارات کے ذریعے انتہائی قابل اعتراض سرخیاں اور خبریں شائع کر کے بھڑکایا گیا۔ اپنے ساتھ بعض ایسے دانشوروں کو بھی ملا لیا گیا جو بڑے سنجیدہ اور بردبار سمجھے جاتے رہے ہیں اور ہمیشہ کی طرح الزامات سے بچنے کے لئے اس "تحریک" کی قیادت ایک ایسے شخص کے سپرد کر دی گئی جس کی سیاسی زندگی سرکاری ملازمت کرتے گذری ہے اور عوامی تحریکوں سے جو ہمیشہ اپنا دامن بچاتا آیا ہے۔

۷ جولائی کو بل پیش کیا گیا تھا اور اسی روز اردو بولنے والوں نے پورے صوبے میں ہڑتال کی۔ اس ہڑتال کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی غرض سے ایسے حالات پیدا کئے گئے جس میں بھولے بھالے معصوم عوام کے جذبات اس قدر مشتعل ہو جائیں کہ وہ اس کے اصل مقاصد کو نہ سمجھ پائیں۔ بھائیوں کے دلوں میں بھائیوں کے خلاف نفرت کے شعلوں کو ہوا دی گئی اور انسانوں کے ہاتھوں انسانوں کو قتل کروایا گیا۔ نفرت کی جس آگ نے کراچی میں جنم لیا تھا اس کے شعلے پورے سندھ میں پھیل گئے۔

یہ تھا وہ پس منظر جس کے تحت یہ تحریک چلی اور یہ تھے وہ مقاصد جن کے حصول کے لئے بھائی کو بھائی سے لڑوا کر نفرت کا ایک ایسا بیج بو دیا گیا تھا۔ جسے ضرورت کے ہر موقع پر اب سالہا سال تک استعمال کیا جاتا رہے گا۔ اب بھی وقت ہے ہم اپنی صفوں کو مضبوط کر سکتے ہیں۔ ہم نئے اور پرانے سندھی، ہم دو بھائی ہر بات کو بھول جائیں، اپنی آنکھیں کھلی رکھیں، جذباتیت کو لات مار کر حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے شانے سے شانہ ملا کر جدوجہد کریں۔ اپنے مشترکہ دشمنوں کو پہچانیں۔ اپنی صفوں میں کالی بھیڑوں کو تلاش کریں اور اس سفر کا آغاز کر دیں جس کی منزل اب زیادہ دور نہیں رہی۔

سیدین رضوی

غزل

آج جو سلسلۂ دار سے وابستہ ہیں
کل یہی لوگ تو تاریخ کا عنواں ہونگے

وقت کے ساتھ نگاہوں کے بدلنے والے
وقت گزریگا تو کچھ اور بھی عریاں ہونگے

ہم نے جس ہاتھ کو تھاما تھا سہارے کے لئے
اب اسی ہاتھ سے ہم چاک گریباں ہونگے

اپنی اجڑی ہوئی تہذیب کا ماتم کرلوں
اور کیا اس سے زیادہ ابھی ویراں ہونگے

اپنی تاریخ سے کس درجہ چراؤں آنکھیں
عہد ماضی سے کہاں تک یوں گریزاں ہونگے

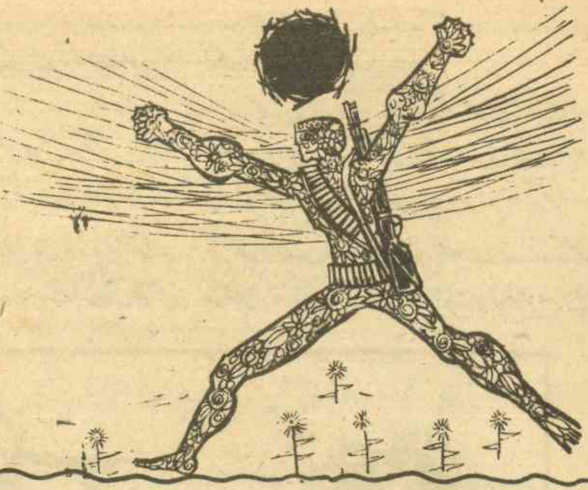
ہم تو نکلے تھے صداقت کے پجاری بن کر
کیا خبر تھی کہ ہمیں زینت زنداں ہونگے

ہر طرف صوبہ پرستی کا یہ چرچا کیسا
ہم تو سمجھے تھے کہ ہم صرف مسلماں ہونگے

ہم یونہی خاک اڑاتے رہے صحرا صحرا
اپنی قسمت میں ابھی اور بیاباں ہونگے

چارو مجمدار کو شدید بیماری کی حالت میں گرفتار کیا گیا

مغربی بنگال اور سندھ کے
مظلوم کسان
ایک ہی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں



بھارتی حکمران نکسل باڑی تحریک کو گرفتار کرنے میں ناکام ہو گئے

الفتح رپورٹ

آج بھارتی حکمران ٹولے کو سامراج، سوشل سامراج اور برصغیر کی تمام رجعت پرست قوتوں کی حمایت حاصل ہے اور ان کی مجموعی طاقت کسانوں کی عوامی مسلح جدوجہد "نکسل باڑی تحریک" کو کچلنے کے لیے استعمال کی جا رہی ہے۔ چار سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بھارتی پولیس اور فوج حالیہ اطلاع کے مطابق کامریڈ چارو مجمدار کو سنٹرل کلکتہ سے گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ کہا جاتا ہے کہ کامریڈ پرانے ایگزیما کے مریض ہیں اور گرفتاری کے وقت شدید علیل تھے۔

سرمایہ دارانہ نظام میں شخصیتیں بنائی جاتی ہیں۔ جب کبھی کوئی ایرا غیرا اقتدار کی کرسی پر براجمان ہوتا ہے تو وزارتِ اطلاعات و نشریات اور سرمایہ داروں کے پریس میں شخصیتیں بنانے والے کل پرزے فوراً حرکت میں آ جاتے ہیں اور راتوں رات اس کی شخصیت بنا دی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر آپ نے بھی ایسی باتیں اکثر سنی اور پڑھی ہوں گی کہ وزیر موصوف بچپن ہی سے گھوڑ سواری کے بڑے شوقین تھے۔ تیر و تفنگ کے استعمال میں ان کو خاص ملکہ حاصل ہے تقریر و تحریر میں یدِطولیٰ رکھتے ہیں، علم و فضل کے بحرِ ذخّار ہیں ... وغیرہ وغیرہ ...!

جہاں تک بنگال، بہار، اڑیسہ اور مدراس کی محبوب ترین شخصیت چارو مجمدار کے اخلاق، عادات، اطوار اور ان کی ذاتی زندگی سے متعلق باتیں ہیں وہ آزاد علاقوں میں کسی غیر معلوم دور دراز گاؤں کے کسی تاریک جھگی یا جھونپڑے میں رہنے والا کوئی شخص کھیت مزدور، گھنے جنگلوں میں بسیرا کرنے والا کوئی لکڑہارا یا پھر کوئی کچلا اور پسا ہوا غریب کسان ہی بہتر طور پر روشنی ڈال سکتا ہے۔ روشنی سے جھلملاتے ہوئے بارونق شہروں میں دوہری زندگی بسر کرنے والے کسی دانشور سے ان کا تعلق چند لمحوں یا چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اُن کی تحریک کے بارے میں تو کافی معلومات متعدد ذرائع، اخبارات و رسائل سے مل جاتی ہیں مگر اب تک ان کی ذاتی زندگی سے متعلق تفصیل کسی معتبر ذرائع رسائل اور جرائد میں نہیں ملتی۔ بہرحال ان کے کروڑوں پروانے اور شیدائی سارے بھارت میں پھیلے ہوئے ہیں۔ عام طور کامریڈوں کا کہنا ہے کہ وہ عام آدمیوں کی طرح ایک آدمی ہیں۔ کارل مارکس، لینن اور ماؤزے تنگ جیسے عظیم مفکروں اور انقلابیوں کے افکار، خیالات اور ان کی انقلابی جدوجہد کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا۔ اس طرح انہوں نے آدمی سے انسان تک کا سفر طے کیا۔

آج ہم جس صدی میں زندگی بسر کر رہے ہیں، وہ سماجی، سیاسی اور اقتصادی عظیم انقلابی تبدیلیوں کی صدی ہے جس نے بتدریج پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ تمام ممالک خود مختاری چاہتے ہیں۔ ساری قومیں آزادی کی خواہاں ہیں اور عوامی اکثریت انقلاب کی متوالی ہے یہی ہیں وہ حقائق جس نے تاریخی رجحان کو ایک ایسے سیلاب کی روانی اور طاقت عطا کر دی ہے جس پر اب کوئی بند نہیں باندھا جا سکتا۔

"برصغیر کے لوگ ایشیا کے عظیم انسانوں میں سے ہیں جن کی کثیر آبادی اور طویل تاریخ ہے ان کے ماضی کی سرگزشت اور مستقبل کی راہیں بڑی حد تک چین سے مماثلت رکھتی ہیں۔ آزاد چین کی طرح آزاد برصغیر بھی اس عالمی برادری میں ایک دن سوشلسٹ اور عوامی جمہوریہ بن کر ابھرے گا۔ وہ انسانی تاریخ میں سامراجی رجعت پسندوں کے دور کا آخری

"فتح سے پہلے میں اپنی بندوق
زمین پر نہیں رکھوں گا"



بھارت کے کسانوں کا نعرہ

دن ثابت ہوگا ۔ (چیئرمین ماؤ، اکتوبر ۱۹۴۹ء)

چارو مجمدار نے بھارت کے نیم نوآبادیاتی نظام اور گماشتہ جاگیرداری اور سرمایہ داری کے ذریعے مزدوروں، کسانوں اور متوسط طبقہ کے کچلے ہوئے لوگوں کے استحصال کو اب اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ سامراجی ممالک اور مقامی رجعت پسندوں کے سارے ہتھکنڈوں کا راز پا لیا۔ عوام کے حقیقی خواہشات اور امنگوں کا کھوج لگا لیا۔ عوام اپنی بے بسی اور بے چارگی سے نجات چاہتے ہیں۔ ظلم و استبداد کی زنجیروں کو توڑنا چاہتے ہیں۔ قبائلی نظام کے معاشرتی و ثقافتی ڈھانچے ذات پات، نسلی تعصب اور خاندانی تفاخر سے چھٹکارا چاہتے ہیں۔ محکمۂ پولیس، محکمۂ مال اور افسر شاہی کے دن دہاڑے لوٹ کھسوٹ سے تحفظ چاہتے ہیں۔ مارواڑیوں بنیوں اور برہمنوں کی ملی بھگت چودھراہٹوں اور سرمایہ دارانہ جمہوریت کا خاتمہ چاہتے ہیں۔

چارو مجمدار نے سوچ اور عمل کے درمیان کا طویل فاصلہ بھی عبور کر لیا اور بنگال میں غریب کسانوں کی نکسل باڑی تحریک کے انقلابی رہنما بن گئے۔

نکسل باڑی ——— بنگال ——— نہیں سارے بھارت میں مزدوروں اور کسانوں پر ظلم و استبداد اور استحصال کی تفصیلات مختلف ہو سکتی ہیں مگر مجموعی طور پر اس کی شکل و صورت اور خدوخال پاکستان کے مزدوروں اور کسانوں کے استحصال سے مختلف نہیں ہے۔

عوام اور صرف عوام ہی انسانی تاریخ کی راہیں متعین کرتے ہیں نکسل باڑی تحریک کسانوں کی عوامی مسلح جدوجہد ہے۔ تیرگی و تاریکی سے نجات کی یہ روشنی ایک چھوٹے سے گاؤں سے پھوٹی اور چند سالوں میں جنگل کے آگ کی طرح بڑی تیزی سے پھیلتی چلی گئی۔ بھارتی حکمران ٹولے نے لاکھوں کی تعداد میں پولیس اور فوج پورے علاقہ میں تعینات کر دی۔ ہر طرح کے ظلم، جبر و استبداد کی کھلی اجازت دے دی گئی۔ غریب اور نہتے کسانوں پر اس طرح گولی چلائی گئی جیسے تیتر اور بٹیر کا شکار کرتے ہوں۔

جوں جوں ظلم بڑھتا گیا جدوجہد تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ چھوٹی چھوٹی علاقائی جنگیں اور بڑے بڑے معرکے بھی ہوئے۔ کبھی فتح ہوئی، کبھی شکست! لیکن دونوں ہی صورتوں میں تحریک پھیلتی ہی چلی گئی۔ بنگال، بہار، آسام، اڑیسہ اور مدراس کے بہت بڑے خطے کو جابروں اور ظالموں کے تسلط سے آزاد کرا لیا گیا ہے۔ آج ان علاقوں کے انقلابی کسان اور غریب عوام بندوقوں اور مشین گنوں کی گولیوں کے گھن گرج سے ایسے مانوس ہو گئے ہیں جیسے کبھی چرواہے کی بانسری، مانجھی کے لوک گیت اور دریاؤں کے زیر و بم سے لطف اندوز ہوتے تھے۔

انقلاب کے راستے میں فتح بھی ہوگی اور شکست بھی! لیکن آخری اور فیصلہ کن جنگ میں فتح ہمیشہ عوامی انقلاب کی ہی ہوگی۔ ابتدائی دور میں دشواریاں اور پریشانیاں ہوں گی لیکن آخر کار سامراج اور رجعت پسندوں کی مکمل شکست ہی ان کا مقدر رہے۔

کامریڈ چارو مجمدار کی تجربہ کار اور پُر مغز قیادت نے عوام کو اپنی اور صرف اپنی طاقت اور خود مختار، مضبوط اور مستحکم تنظیم پر بھروسہ کرنا سکھا دیا ہے۔ نکسل باڑی تحریک اور تنظیم کا نصب العین کامریڈ کی شخصیت تک محدود نہیں بلکہ عوامی انقلاب اور سوشلسٹ نظام کا قیام عمل میں لانا ہے

جماعت اسلامی کا مقبول نعرہ ۔ 'ٹکا خان آوے ای آوے'

رجعت پسند پارٹیاں ایک بار پھر

فوجی آمریت کی راہ ہموار کر رہی ہیں

الفتح رپورٹ

جماعتِ اسلامی اور یحییٰ خان کے خفیہ مذاکرات اور گٹھ جوڑ کی داستانیں شہرتِ عام و بقائے دوام حاصل کر چکی ہیں۔ سقوطِ ڈھاکہ کے بعد جماعت اسلامی پوری طرح ننگی ہو چکی ہے۔ البدر باہمی اور الشمس کی ہولناکیوں اور خون آشامیوں نے بنگالی بھائیوں کو ہم سے متنفر کر دیا۔ مشرقی پاکستان میں فرقہ مودودیہ کے مسلح رضاکاروں نے بے پناہ مظالم ڈھائے۔ غریب بہاریوں کو آگے کر دیا۔ یحییٰ خان اور دوسرے فوجی وڈیروں کے اشارے پر محض اس امید پر خونی ڈرامہ کھیلا گیا کہ یحییٰ خان جماعتِ اسلامی کو اپنے اقتدار میں شریک کر لے گا۔

جماعتِ اسلامی یا فرقہ مودودیہ اپنے گمراہ کن نظریات اور عوام دشمنی کے سبب کبھی مقبولیت حاصل نہ کر سکی۔ اس فرقہ کو اس بات کا زعم تھا کہ وہ عوام تک گہری رسائی رکھتی ہے۔ ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات سے قبل اس نے پہلے ہی سے اپنی کامیابی کا ہوّا کھڑا کر رکھا تھا۔ یحییٰ خان کو یقین تھا کہ عام انتخابات میں جماعتِ اسلامی جیت جائے گی۔ سرمایہ دار بھی اس جماعت پر تکیہ کیے بیٹھے تھے۔ دامے، درمے، سخنے غرضیکہ ہر قسم کی امداد دے رہے تھے۔ لیکن انتخابات کے نتائج نے جہاں جماعت اسلامی کی مقبولیت کا بھرم کھول کر رکھ دیا وہیں سرمایہ دار اور مٹھی بھر جاہ پسند جرنلوں کی امیدوں پر بھی پانی پھر گیا۔ اقتدار قائم رکھنے کا سہانا خواب بکھر گیا۔ انتخابات کے غیر متوقع نتائج کے ردِ عمل کی صورت میں جماعتِ اسلامی اور یحییٰ خان کے گٹھ جوڑ سے پاکستان میں جو سیاسی تبدیلی رونما ہوئی اسے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ اگر یحییٰ خان جماعت اسلامی کے بچھائے ہوئے جال میں نہ پھنستا تو ضمنی انتخابات کے ڈھونگ نہ رچائے جاتے۔ جماعت کے نام نہاد رہنماؤں کی پُرفریب کامیابی کا اعلان نہ کیا جاتا۔ جماعت کے رضاکاروں کو اسلحہ دے کر بنگالی عوام کا قتلِ عام نہ کرایا جاتا تو شاید پاکستان ریزہ ریزہ ہونے سے بچ جاتا۔ بنگالی بھائیوں کے دل میں ہمارے لیے اتنی تلخی اور کڑواہٹ نہ ہوتی جس کا اظہار اس طرف سے آج کیا جا رہا ہے۔

جماعتِ اسلامی نے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ منفی طریقہ کار اختیار کیا۔ پاکستانی عوام پر فوجی آمریت مسلّط کرنے میں ہمیشہ اس کا ہاتھ رہا۔ کون نہیں جانتا کہ ایوبی آمریت کے قلعہ کو مضبوط اور مستحکم بنانے میں فرقہ مودودیہ کے رہنما پیش پیش رہے اور یحییٰ خان سے عرصہ دراز تک "ہنی مون" مناتے رہے۔ جماعت سے متاثر ہونے والے بعض فوجی جرنلوں کی شان میں قصیدے پڑھتے پڑھتے ان کی زبان سوکھ کر کانٹا بن جاتی۔ سقوطِ ڈھاکہ، عام انتخابات میں شرمناک شکست اور یحییٰ خان کے عبرتناک زوال کے بعد بھی جماعتیوں نے کچھ نہ سیکھا۔ ہزارہا بنگالی اور مہاجر بھائیوں کو اپنے خفیہ عزائم کی تکمیل کے لیے آپس میں لڑوا دیا۔ یہ اپنے گھناؤنے فعل پر شرمندہ نہیں ہے۔ ملک میں انتشار اور لاقانونیت پھیلا کر اقتدار پر قبضہ کرنے کی پرانی اور خطرناک حکمتِ عملی پر بدستور گامزن ہے۔

پاکستان کے عوام جانتے ہیں کہ فوجی آمریت کے سبب یہ ملک تباہ ہوا۔ اگر ایک بار پھر بچے کھچے پاکستان کا اقتدار فوج کے ہاتھوں میں پہنچ گیا تو اس ملک کو مکمل تباہی سے کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔ لیکن جماعتِ اسلامی جان بوجھ کر ایسے حالات پیدا کر رہی ہے کہ ایک بار پھر اقتدار عوامی نمائندوں کے ہاتھوں سے نکل کر فوج کے ہاتھوں میں پہنچ جائے اور ملک میں خانہ جنگی کے ذریعے اقتدار پر قبضہ کر لیا جائے۔

جماعتِ اسلامی اپنے اس خفیہ منصوبے کو تیزی سے روبہ عمل لانا چاہتی ہے۔ حالیہ لسانی فسادات اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جماعتِ اسلامی کا منصوبہ اب کھل کر سامنے آ گیا ہے۔ لاہور میں رجعت پسند پارٹیوں بالخصوص جماعتِ اسلامی، پی ڈی پی اور جمیعت العلمائے پاکستان کی قیادت میں اردو کی حمایت میں جو جلوس نکالا گیا۔ اس میں "ٹکا خان آوے ای آوے" کے فلک شگاف نعرے بلند کیے گئے۔ یہ گمراہ کن نعرہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ جماعت اسلامی ایک بار پھر اس ملک میں فوجی آمریت کی راہ ہموار کر رہی ہے۔ کراچی کے اجارہ دار سرمایہ دار دِل کھول کر امداد دے رہے ہیں۔ پچھلے دنوں جب کراچی میں لسانی مسئلے کی آڑ میں ہنگامہ شروع کرایا گیا تو لیاقت آباد میں جماعتِ اسلامی کے کارکنوں نے باقاعدہ نعرہ لگایا کہ ——— "ایوب خان کو واپس لاؤ"

جماعتِ اسلامی جمہوری نظامِ حکومت کی دعویدار بنتی ہے لیکن در پردہ وہ فوجی آمریت اور بنیادی جمہوریت کے گلے سڑے نظام کو دوبارہ مسلّط کرنا چاہتی ہے۔ اب بھی وقت ہے جماعتِ اسلامی کو نوشتۂ دیوار پڑھ لینا چاہیئے۔ وہ جس نظام کو عوام پر تھوپنا چاہتی ہے اسے عوام کسی حالت میں قبول نہیں کریں گے۔ پیپلز پارٹی کی وعدہ خلافی کے باوجود عوام مایوس نہیں ہیں۔ وہ آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ اگر وہ پیپلز پارٹی کے خلاف طبقاتی جدوجہد کو تیز کر سکتے ہیں تو وہ ان عوام دشمنوں کو بھی

باقی صفحہ ۳۳ پر ملاحظہ فرمائیں

'ٹکا خان آوے ای آوے!'

After their honeymoon with Yahya Khan during the East Pakistan crisis, rightists have once again exposed their true colours. In a procession brought out the other day in support of Urdu in Lahore by the rightist parties, one of the slogans raised was "TIKKA KHAN AVEY-I-AVEY."

During the last few months Rightists have been crying hoarse for Democracy and posing themselves as its Champions. What sort of democracy they seek, one may ask? The Basic Democracy of the Ayub era? They must read writings on the wall. The military rule has already ruined the country and it can no more suffer it again.

It will be in their own interest not to drag prominent armed forces figures into political controversies. The people will never allow 1958, or 1969 to happen again.

الفتح

آٹھ سالہ بھانجے نے پوچھا۔ ماموں اس کا مطلب کیا ہے؟

اسلام پسندوں کے سیاسی ضابطۂ اخلاق کے چند نمونے

لسانی فسادات میں

مشرقی اخلاق کا بھی جنازہ نکالا گیا

قطب الدین احمد

حالیہ لسانی تنازعہ کے سیاق و سباق، اسباب و وجوہات اور اس کے من حیث القوم نتائج پر طویل بحث کی جاسکتی ہے مگر میں یہاں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ ایک چیز جس نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے میں اس کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ اس کا تعلق ہمارے اخلاقی اقدار اور مجموعی کردار سے ہے پچھلے آٹھ دس دنوں کے جلسے جلوسوں، مظاہروں پوسٹروں اور بینروں میں جن اخلاقی قدروں کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ میں اس کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں

ہنگاموں، توڑ پھوڑ اور "بس جلاؤ" کی مہم کے ساتھ ساتھ شراب کی دکانیں لوٹی گئیں۔ "شراب بند کرو" اور — "شراب نے ملک کو تباہ کر دیا ہے" کے نعرے بلند کیے جارہے تھے۔ سینماؤں اور اس میں کام کرنے والے غریب دربانوں اور گیٹ کیپروں پر حملے کیے گئے۔ ان کی خوب پٹائی کی گئی۔ اسلام پسند مجاہدوں نے عریاں تصویریں پھاڑ ڈالیں۔ پوسٹر اور بینروں میں آگ لگادی۔ کچھ سینما گھروں پر پتھراؤ کیا اور پھر آگ بھی لگادی۔ اس طرح کراچی شہر سے تمام غلاظت اور گندگی کا صفایا کردیا گیا۔ یہ ہے ہمارے کردار اور اخلاق کے مظاہرے کا ایک رُخ!

اب دوسرے رُخ کو دیکھنے کے لیے آپ لیاقت آباد گولیمار، ناظم آباد اور الاعظم اسکوائر کے راستوں پر لگے ہوئے بینروں، پوسٹروں اور کٹھ پتلیوں کو دیکھیں گھروں کی دیواروں پر لکھے ہوئے نعروں کو دیکھیں دیواروں پر بنے ہوئے پنسل اسکیچ پر نظر ڈالیں۔ آپ کو کسی گھٹیا سے گھٹیا، ذلیل ترین اور اخلاق سوز بلو فلم کا مزہ آجائے گا۔ انہی راستوں سے ہمارے بڑے بوڑھے، ہماری مائیں بہنیں، بیویاں اور بچے بچیاں بھی گزرتی ہیں۔ لوگ راستوں پر گروہ در گروہ کھڑے ہیں۔ تصویروں اور کٹھ پتلیوں کو دیکھتے ہیں۔ معنی خیز انداز میں مسکراتے ہیں۔ اوپر سے دو ایک گندے جملے کستے ہیں اور خوب محظوظ ہوتے ہیں۔ ہمارے گھروں کی عورتیں شرم سے گردنیں جھکا کر ایک کنارے سے گزر جاتی ہیں۔ بچیاں اور بچے کھڑے ہوکر بڑی معصومیت سے ان گندی گالیوں کو پڑھتے ہیں اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی گھٹیا اور ذلیل گالیاں ان کے ذہن کے گوشے میں داخل ہو جاتے ہیں۔

کل کی بات ہے کہ میرے ایک بھانجے نے جس کی عمر آٹھ سال ہے اپنی تمام تر معصومیت کے ساتھ مجھ سے "...... والا" (ایک گالی) کے معنی پوچھے۔ مجھ سے جب کچھ جواب نہ بن پڑا تو میں نے اس سے کہا — "کسی اسلام پسند سے پوچھ لینا۔"

میں مشرقی پاکستان میں بنگالیوں کی سیاسی تحریک کے دوران وہاں موجود تھا۔ یحییٰ حکومت اور مغربی پاکستان کے برسرِ اقتدار ٹولے کے خلاف بنگالیوں کی نفرت و حقارت کا میں عینی شاہد ہوں۔ ان کے جلسے، جلوسوں، پوسٹروں بینروں اور دیواروں پر لکھے ہوئے نعروں کو بھی دیکھنے کا مجھے پوری طرح موقع ملا۔ مگر ان کے تمام تر جذبات، جوش و ولولہ اور نفرت و حقارت کے باوجود مجھے کبھی، کہیں بھی یحییٰ خان کی ماں بہن اور بیوی کے نام سے کوئی غلیظ گالی یا بلو فلم کا کوئی پنسل اسکیچ کسی دیوار پر نظر نہیں آیا۔ یہاں تک کہ خود یحییٰ خان کی کٹھ پتلیوں میں بھی کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی جس سے کوئی اخلاق سوز پہلو نکلتا ہو اور انتہائی بے شرمی اور بدکرداری کا مظاہرہ ہوتا ہو۔

دوسری مثال مزدوروں کی ۷ رجون کی تحریک سے ملتی ہے۔ مزدور طبقاتی طور پر ایک خاندان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے بھائی اور ان کے بچے پولیس کی وحشیانہ فائرنگ اور مظالم کے شکار ہوئے تھے۔ سارے مزدور مشتعل تھے۔ غم و غصہ اور نفرت ان کی آنکھوں سے جھلک رہا تھا۔ خوب گرما گرم اور پُرجوش تقریریں ہوتی تھیں۔ جذبات کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ پورا صوبہ سندھ اس کی لپیٹ میں تھا۔ پوسٹر، بینر، احتجاجی جلسے اور جلوس۔ انہوں نے بھی مسلسل آٹھ دس دنوں تک کیے! مگر ان تمام باتوں کے باوجود کبھی گھٹیا پن کا مظاہرہ یا اخلاق سوز نعرے اور تصویریں سننے اور دیکھنے میں نہیں آئیں۔

تہذیب، ثقافت اور اخلاقی اقدار کے علمبرداروں کے چہرے آج کراچی کے سڑکوں، گلیوں اور گھروں کی دیواروں پر بے نقاب اور عریاں ہوکر سامنے آگئے ہیں۔ ان کا ظاہر اور باطن دونوں ہی ابھر کر سامنے آگیا ہے۔ ان کا دوغلا کردار برہنہ ہوگیا ہے۔ بے شرمی، بے حیائی، ریاکاری اور مکاری کا ایسا مظاہرہ اس سے قبل کبھی دیکھنے اور سننے میں نہیں آیا۔

لسانی فسادات پر عام لوگوں کے تاثرات





"زبان کا مسئلہ اردو اور سندھی شاونسٹوں نے چھیڑا ہے"

(امیر حسین شاہ)

ایک مسلمان کا خون دوسرے مسلمان پر کیسے حلال ہوگیا؟

نعیم الحسن

زبان نفرت کا نہیں محبت کا پیغام دیتی ہے۔

دنیا کی ہر زبان کے ادب میں انسان سے انسان کے پیار کی دل گداز داستانیں بکھری پڑی ہیں۔ ہر ادب میں محبت کے گنگناتے ہوئے گیت ملتے ہیں۔ لہلہاتے ہوئے کھیتوں کی ہریالی اور ابلتے ہوتے چشمے کی ٹھنڈک ملتی ہے۔ ملوں اور کارخانوں میں دن رات کام کرنے والے مزدوروں کے عرق آلود چہرے اور کھیتوں میں ہل چلانے والے کسانوں کی بے امن اور بے چین زندگی کا عکس جھلملاتا ہے ـــ کسی زبان کی کتاب اٹھاکر دیکھ لیں۔ آپ کو یہی کچھ ملے گا۔ سندھی اور اردو دونوں زبانیں محبت اور پیار کی زبانیں ہیں اتحاد، یگانگت اور دوسروں کے لئے ایثار و قربانی کا درس دیتی ہیں ـــ لیکن بورژوا سیاست، جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور نوابوں کی سیاست، استحصالی طبقے کی سیاست نے محبت میں تلخی کا زہر گھول دیا۔ زبان کو زبان کا مخالف بنادیا۔ پیار کو پیار کا دشمن قرار دے دیا گیا۔ زبان کا تنازعہ کھڑا کر کے جاگیردار اپنی جاگیریں بچا گئے۔ نواب اپنی نوابی کا بھرم کچھ دیر اور قائم رکھنے میں کامیاب ہو گئے ـــ عوام کے ایک طبقے کو دوسرے طبقے سے بھڑا دیا گیا۔

۸ جولائی کا واقعہ ہے۔ پورے شہر میں جنون کی آگ بھڑک رہی تھی۔ تخریب پسند سرگرم عمل تھے۔ جماعت اسلامی اور نیپ عثمانی ٹولے کے تنخواہ دار ایجنٹ اس آگ پر جگہ جگہ تیل چھڑک رہے تھے اردو دوستی کی آڑ میں ملک دشمنی کا گھناؤنا کھیل پورے عروج پر تھا۔ شہر کے مختلف چوراہوں پر جلتے ہوئے ٹائر سے کثیف دھواں بلند ہو رہا تھا۔ دکانوں کے شیشے ٹوٹ رہے تھے اور مکانوں سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ دوست اور دشمن کی تمیز مٹ گئی تھی ہر ایک کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا ـــ مارو ـــ مارو ـــ پکڑو پکڑو" ـــ پولیس اس افراتفری، بدنظمی اور انتشار سے فائدہ اٹھاکر آنسو گیس کے گولے پھینک رہی تھی۔ جہاں جہاں مجمع بے قابو ہوتا اندھا دھند فائرنگ کا آرڈر دے دیا جاتا ـــ مرنے والے عام لوگ تھے۔ ان میں جماعت اسلامی جمعیت العلمائے پاکستان اور نیپ کے رہنما اور کارکن شامل نہ تھے۔ ریڑھی والے دکاندار، راہگیر، بسوں میں سفر کرنے والے اور پیدل چلنے والے عام لوگ تھے۔ اس ہنگامے میں نئی کراچی کی دور دراز بستی بھی نہ بچ سکی ـــ جلوس اور مظاہرے سے فائدہ اٹھاکر چند تخریب پسندوں نے اپنے لئے موقع نکال لیا۔ سندھی ہوٹل کی چند دکانیں توڑ کر اندر گھس گئے۔ جو ہاتھ لگا لوٹ کر لے گئے اور چلتے چلتے دو دکانوں کو نذرِ آتش کر گئے۔ آگ کے بلند ہوتے ہوئے شعلوں نے دکانوں سے ملحق مسجد کے ایک حصّے کو بھی جلادیا۔ لوٹ مار اور آتش زنی کرنے والوں نے اس بات کا بھی خیال نہ رکھا کہ ایک مسلمان کا مال دوسرے مسلمان پر کس طرح حلال ہوگیا۔ ایک مسلمان کا خون دوسرے مسلمان پر کیسے واجب بن گیا؟

نئی کراچی کے ممتاز سیاسی اور سماجی رہنما سیّد نظار حسین نے اس افسوسناک واقعہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ توڑ پھوڑ، لوٹ مار اور تشدد قابل مذمت ہے۔ جس

تحریک کے پیچھے تنظیم اور نظم و ضبط موجود نہ ہو، وہ تحریک عام طور پر انتشار اور لاقانونیت کا شکار ہو کر اپنے پیچھے تباہی اور بربادی کی ایسی داستانیں چھوڑ جاتی ہے۔ جس پر انسانیت کو شرمسار ہونا پڑتا ہے۔ ہر طبقہ کو اس بات کا آئینی حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے حقوق اور مفادات کے تحفظ کے لئے جدوجہد کرے۔ مزاحمت کرے لیکن اس جدوجہد اور مزاحمت کے لئے پہلے سے حکمت عملی اور طریقہ کار کا تعین کر لیا جاتا ہے۔ تاکہ تخریب پسند اور ملک دشمن اس سے فائدہ اُٹھا کر تحریک کو نراجیت اور عوام دشمنی کی طرف نہ موڑ دیں۔ اگر حالیہ ہنگاموں اور فسادات کا تجزیہ کیا جائے تو ہمیں اس حقیقت کا تلخ احساس ہوگا کہ ۷ جولائی کو صوبائی اسمبلی میں لسانی بل کی منظوری کے خلاف اردو کے چند نام نہاد علمبرداروں نے ۸ جولائی کو عام ہڑتال کا اعلان کر کے اپنی تمام تر سرگرمیاں پریس کانفرنس اور اشتعال انگیز اخباری بیانات تک محدود رکھیں۔ اخبارات نے اپنی اشاعت بڑھانے کے لئے ان بیانات کو خوب اچھالا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پرامن اور منظم تحریک ہنگامے اور انتشار کی نذر ہو گئی۔ توڑ پھوڑ اور تشدد کے واقعات نے پچھلے سارے ریکارڈ کو مات کر دیا۔ پولیس فائرنگ سے شہر کے کئی علاقوں میں کئی قیمتی جانیں تلف ہو گئیں۔ انہوں نے کہا کہ اس میں نقصان عوام کا ہوا۔ اردو سندھی وڈیروں اور نوابوں کو خراش تک نہ آئی۔

نئی کراچی میں رہنے والے عثمانی صاحب نے کہا کہ یہ مسئلہ اُٹھا کر محنت کشوں اور کسانوں کی طبقاتی جدوجہد کے رُخ کو ایک غلط سمت موڑنے کی بدترین کوشش کی گئی۔ یہ تنازعہ وڈیروں اور اردو کے مٹھی بھر نوابوں اور سفید کالر بابوؤں کے درمیان تھا۔ آپ نے دیکھ لیا کہ اسلام آباد میں ان کے درمیان سمجھوتہ ہو گیا۔ اردو کے ٹھیکیداروں نے تو اردو سندھی ساتھ ساتھ کا نعرہ لگایا تھا مگر سمجھوتہ چند سو سول افسروں کی ملازمتوں کے تحفظ پر ہو گیا ہے۔ مزید برآں بارہ سال کا قدغن بھی لگا دیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ جہاں تک زبان کے بارے میں میری رائے کا تعلق ہے تو میں صاف گوئی سے کام لوں گا کہ یہ مسئلہ میرے اور میرے جیسے ساتھیوں کا نہ تھا۔ ہم لوگ محنت مزدوری کر کے روزی کماتے ہیں۔ "محنت" ہماری زبان ہے۔ اگر صوبے کی سرکاری زبان سندھی بنا دی گئی تو ہماری زندگی پر اس کا کیا بُرا اثر پڑے گا۔ اردو ہماری قومی زبان ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے بچے ایک اور زبان سیکھ لیں گے۔ ہم آج بھی محنت کرتے ہیں اور کل بھی، اسی طرح محنت کرتے رہیں گے۔ سندھ کے جاگیرداروں، وڈیروں اور نوابوں نے طبقاتی جدوجہد سے خائف ہو کر اس مسئلے کو تنازعہ کی صورت میں کھڑا کر دیا۔ اور مزدور، مزدور کے درمیان اور ہاری، ہاری کے درمیان نفاق کے بیج بونے کا مذموم ہتھکنڈہ استعمال کیا۔ عثمانی صاحب نے ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ اس مسئلے کو تنازعہ کی صورت دینے میں جماعتِ اسلامی اور نیپ کا ترمیم پسند ٹولہ پیش پیش رہا۔

یہ دونوں جماعتیں پاکستان کے بچے کھچے حصّے کو بھی تباہ و برباد کرنا چاہتی ہیں۔ قومیتوں کے مسئلے پر محمود الحق عثمانی کی قلابازی، نیپ کی سیاسی شعبدہ بازی کی تازہ ترین مثال ہے۔ کراچی کو علیحدہ صوبہ بنانے کی اس سازش کے پیچھے نیپ کے پشت پناہ چند سرمایہ دار بڑھ چڑھ کر پیسہ خرچ کر رہے



لسّانی تنازعہ
وڈیروں اور نوابوں
نے کھڑا کیا تھا!

(سیّد منظور حسین)

ہیں۔ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے درمیان ابھرتے ہوئے تضاد سے نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ عوام اور مزدور دشمنی عروج پر پہنچ چکی ہے۔ محنت کشوں اور کسانوں پر زندگی حرام کر دی گئی ہے۔ طبقاتی جدوجہد کو سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق لسانی منافرت میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ لیکن محنت کش طبقہ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے اس نقطے پر ملی جلی سازش سے پوری طرح آگاہ ہے۔ حالیہ لسانی فسادات میں بلا مزدوروں نے اپنے آپ کو الگ تھلگ رکھا اور اپنی کالونیوں میں اس وبا کو بالکل گھسنے نہیں دیا۔ لوگوں کے جذبات ٹھنڈے ہوں گے تو وہ اس تحریک کے پیچھے کام کرنے والے خفیہ ہاتھ کو دیکھ لیں گے۔ زبان کے مسئلے پر مزدور کو مزدور اور ہاری کو ہاری سے لڑانے کی سازش مکمل طور پر ناکام ہو چکی ہے کل تک یہ ناکامی واضح شکل اختیار کر کے ہر طبقہ کے سامنے اور واضح ہو جائے گی۔

سیّد امیر حسین شاہ کراچی کے ایک مقامی گوٹھ میں رہتے ہیں۔ کراچی ان کا وطن ہے۔ یہیں پیدا ہوئے اور پروان چڑھے اور اب اپنے وطن کو سامراج، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے استحصال سے نجات دلانے کے لئے دن رات کام کرتے ہیں۔ وہ اکثر الفتح کے دفتر میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ آتے رہتے ہیں۔ اُردو بولتے ہیں۔ صاف ستھری اور ہر قسم کی غلطیوں سے پاک، اردو میں کبھی کبھار مضمون اور اکثر و بیشتر بیانات لکھتے ہیں۔ ان سے مل کر کبھی احساس نہیں ہوتا کہ وہ غیر ہیں۔ اور ہمارے اور ان کے درمیان محض زبان کے مسئلے پر کوئی اختلاف ہو سکتا ہے۔ سندھی ان کی مادری زبان ہے۔ دوسری طرف اردو پر بھی جان چھڑکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ زبان کا مسئلہ اردو و سندھی شاونسٹوں نے چھیڑا ہے۔ جس کا بنیادی مقصد محنت کشوں اور کسانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا ہے۔ یہ طبقاتی جدوجہد کے خلاف سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی بدترین سازش ہے۔ اس سازش کو ہم طبقاتی شعور اور اتحاد کے ذریعہ توڑ سکتے ہیں۔ سندھی اور غیر سندھی محنت کشوں کے درمیان کوئی عناد، کوئی دشمنی نہیں۔ جی۔ ایم۔ سیّد اور نواب مظفر حسین اپنی جاگیریں بچانے کے لئے عوام میں پھوٹ ڈال رہے ہیں۔ مجھے قوی امید بلکہ یقین ہے کہ مزدور اور کسان، جاگیرداروں اور نوابوں کے اس ناپاک منصوبے کو خاک میں ملا دیں گے۔

سائٹ کے ایک مزدور حافظ غلام نے میرے سوال کے جواب میں کہا۔ "ایک ہفتے کے ہنگاموں سے مزدوروں کے گھر میں فاقے ہونے لگے۔ بل ایریا کی حالت پہلے ہی خراب تھی۔ اس پر سیاستدانوں نے اپنی لیڈری چمکانے کے لئے بے کار کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ میری کالونی میں ایسے بے شمار گھرانے ہیں جو روز کی اجرت پر گذارہ کرتے ہیں۔ تو دس روز تک شہر میں کرفیو، ہنگامہ اور لڑائی جھگڑے ہوتے رہے۔ اب آپ ہی بتائیں، لیڈر لوگوں نے تو اپنا کام کر دیا، ہم جیسے مزدوروں کو فاقہ کرنا پڑا۔ دوکانداروں نے ہر چیز کی قیمت میں اضافہ کر دیا۔

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں

لسانی فسادات

فارغ بخاری



دل مرا گولیوں سے چھلنی ہے — خوں مرا راستوں میں بہتا ہے
ریزہ ریزہ ہوں، پر ستمگر کا — آخری وار اب بھی رہتا ہے

وحشت انگیز ہاتھ بڑھتے ہیں — اپنے ہی ہاتھ کاٹنے کے لئے
تیغ بن کر زبانیں نکلی ہیں — اپنا ہی خون چاٹنے کے لئے

خود ہی گر گر کے ٹوٹتے ہیں بدن — کانچ کے کچے برتنوں کی طرح
ہر گلی کوچہ ایک مقتل ہے — لاشے بکھرے ہیں کرچیوں کی طرح

بھائی بھائی کے خوں کا پیاسا ہے — آج اپنا لہو بھی قاتل ہے
اب کرے کس کا اعتبار کوئی — میں بھی قاتل ہوں، تو بھی قاتل ہے

زورِ وحشت نے سر اٹھایا ہے — موت کا اژدھام ہے یارو
حیدرآباد سے کراچی تک — جشنِ قتلِ عوام ہے یارو

نام مٹ جائے اِس وطن کا گر
سرکشی کا نشان رہ جائے
اب تُلے ہیں اِسی پہ دیوانے
نہ رہیں ہم، زبان رہ جائے



سُرخ فوج نے دشمن کے محاصرے کی تیسری مہم کے پرخچے اُڑا دیئے

昌奉同志：努力工作，忠實於黨，忠實於人民！祝你勝利。
毛澤東
一九四六年五月十七日

Chairman Mao's autograph in the author's notebook:

To Comrade Chang-feng,
Work hard. Be loyal to the Party and to the people! I wish you every success.
Mao Tsetung

May 17, 1946

مصنف کی نوٹ بک پر صدر ماؤ کی تحریر کا عکس

چین چانگ فنگ
ترجمہ: حفاظ الرحمٰن

"جنابِ صدر! یہ ملیریا نہیں ہے،" میں چلّا پڑا اُس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مجھ میں توانائی نہیں رہی، مجھے ڈر ہے کہ میں کبھی شمالی شینسی نہیں پہنچ سکوں گا۔"

"تم یقیناً وہاں پہنچو گے، گھبراؤ نہیں!" صدر ماؤ نے میرا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا — "مشکلات سے خائف نہیں ہونا چاہیئے۔ صرف اس بات سے ڈرنا چاہیئے کہ کہیں ہم مشکلات سے خائف نہ ہو جائیں۔ اگر تم ان سے ڈرو گے تو یہ اور زیادہ مہیب نظر آئیں گے لیکن اگر تم انہیں خائف کرنے کا موقع نہیں دو گے تو وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی، ڈٹے رہو ایک دفعہ ہم اوپر پہنچ گئے۔ تو تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے!"

صدر ماؤ کے یہ الفاظ میرے لیے اعتماد اور امید کی روشنی لے کر آئے۔ لیکن میں ان پر بوجھ نہیں بننا چاہتا تھا "جنابِ صدر! آپ آگے بڑھتے رہیں" میں نے کہا — "میں تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد آؤں گا —!"

انہوں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا — "یہاں ہوا بہت کم ہے اور بارش ہو رہی ہے۔ تم یہاں آرام نہیں کر سکتے۔ تمہیں کسی نہ کسی طرح حوصلے کے ساتھ پہاڑ کے اوپر پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔" انہوں نے تسینگ کے ساتھ مل کر مجھے اوپر اٹھایا اور ہم آگے بڑھنے لگے۔ صدر ماؤ میرے لیے بڑے فکر مند تھے۔ میں اپنے آپ چلنا چاہتا تھا لیکن میرے جسم پر بُری طرح کپکپی طاری تھی۔ اور مجھ میں آگے بڑھنے کا حوصلہ نہیں رہا۔

"کیا تمہیں سردی لگ رہی ہے؟" صدر ماؤ نے مجھ سے دریافت کیا۔

"سردی ہڈیوں تک گھس چکی ہے!"

"لو یہ کوٹ پہن لو اور تھوڑا سا گرم پانی پی لو، جب تم کچھ گرم ہو جاؤ گے تو تمہاری طبیعت بہتر ہو جائے گی۔" صدر ماؤ نے اپنا اوور کوٹ اتار کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ان کے بدن پر صرف خاکی رنگ کی ایک فوجی وردی رہ گئی جو ان کے لیے زون ای میں بنائی گئی تھی۔ وہ رات گئے تک کام کرتے رہے اور آج گھنٹوں بارش میں چلتے رہے تھے۔ میں خود تو ان کی اچھی طرح دیکھ بھال نہ کر سکا بلکہ اس کی بجائے میں نے ان کے اوپر اور بوجھ لاد دیا تھا۔ میں اس کوٹ کو کیسے قبول کر سکتا تھا؟

میں نے اسے ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "مجھے اس کی ضرورت نہیں، میں چل سکتا ہوں!" میں نے اسے پہننے سے انکار کر دیا اور چلنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن مجھ پر نقاہت طاری تھی۔ میں نے ایک قدم ہی آگے بڑھایا تھا کہ دھڑام سے نیچے گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ میں نے صدر ماؤ کا وہی کوٹ پہن رکھا ہے۔ وہ کھڑے ہوئے بارش میں بھیگ رہے تھے۔ اور موسم خزاں کی ہوا میں ان کی خاکی مہین فوجی وردی زور زور سے پھڑپھڑا رہی تھی۔ وہ اب بھی میرے لیے بڑے فکر مند نظر آ رہے تھے۔ لیکن اب ان کے چہرے پر ایک مسکراہٹ سی کھیلنے لگی۔

تسینگ میرے لیے ایک کٹورے میں پانی بھر لایا اور میرے برابر کھڑا ہو گیا۔ میرے جسم میں حرارت دوڑنے لگی اور ایسا محسوس ہوا جیسے میری قوت عود کر آئی ہو۔ میں کھڑا ہوا اور صدر ماؤ کی طرف دیکھنے لگا۔ میرا حلق خشک ہو گیا۔ صدر ماؤ بہت مسرور تھے — "پہلے سے بہتر محسوس کر رہے ہو؟"

"بہت زیادہ! ہمیں اب چلنا چاہیئے!" میں بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن میرے منہ سے صرف یہی الفاظ نکل سکے۔

"بہت اچھے، تم سُرخ فوج کے ایک سچے سپاہی ہو!" انہوں نے بڑی محبت کے ساتھ میرے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا — "چلو چلیں!"

جھٹ پٹے کے وقت تک ہم کوہ لیو پان کو عبور کر کے دوسری طرف دامن میں پہنچ چکے تھے۔ میں نے مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا۔

"دیکھو تم نے اس پر کیسے فتح پائی!" صدر ماؤ نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا — "مشکلات سے نمٹنے کا یہی طریقہ ہے!"

اس رات ہم نے ایک گاؤں میں قیام کیا جو پہاڑ کے دامن میں واقع تھا۔ میں اپنے بستر میں لیٹا ہوا اپنے ذہن میں دن بھر کی یادوں کو مجتمع کر رہا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا — "اگر مجھے صدر ماؤ کی شفقت نصیب نہ ہوتی اور وہ میرا حوصلہ نہ بڑھاتے تو آج میں کوہ لیو پان پر موت کا نوالہ بن چکا ہوتا۔"

میں مسلسل سوچتا رہا، میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے — "میں صدر ماؤ کے الفاظ کبھی فراموش نہیں کروں گا!" میں نے دل ہی دل میں عہد کیا — "کبھی نہیں، کسی صورت میں نہیں، میں انہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"

ہم اپنے گھر پہنچ گئے

کوہ لیو پان کو عبور کرنے کے بعد ہم "ہوئے قومیت" کے صوبے کانسو میں داخل ہوئے۔ ہوئے قومیت کے لوگ ہم سے بڑی گرمجوشی کے ساتھ پیش آئے۔ ہم جہاں کہیں جاتے ان کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ باہر نکل کر سڑکوں پر ہمارا خیر مقدم کرتے۔ وہ ہمیں گرم پانی کے پیالے پیش کرتے اور کہتے کہ — "آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں۔ کامریڈو، آپ لوگ بہت تھک گئے ہوں گے۔ ذرا سا گرم پانی پی لیں"

جب سے ہم تبتی علاقے میں داخل ہوئے تھے ہمیں ہان زبان بولنے والے بہت کم لوگ ملے تھے۔ چنانچہ جب ہوئے علاقہ میں ہمیں "کامریڈ" کہہ کر مخاطب کیا گیا تو ہم نے یوں محسوس کیا جیسے ہم اپنے گھر میں ہوں۔ ہمیں ان سے معلوم ہوا کہ ہماری پچیسویں سُرخ آرمی نے جو جو لائی یہاں سے گزری تھی۔ اپنے سخت نظم و ضبط کے باعث ان کے دلوں پر بہت اچھا تاثر چھوڑا ہے۔ جوں جوں ہم شمالی شینسی کے قریب پہنچتے گئے۔ ہمارے جوش و خروش میں اضافہ ہوتا گیا اور تکان اور صعوبتوں کا احساس زائل ہوتا گیا۔ ہماری خواہش تھی کہ ہم پَر لگا کر شینسی پہنچ جائیں، جو ہمارا مستقبل کا "گھر" تھا۔

ایک دن جبکہ ہم ابھی کانسو کی ہوان سیئن کاؤنٹی سے باہر نکلے ہی تھے کہ ہمیں ایک پہاڑ کے گرد بل کھاتا ہوا چھوٹا سا راستہ نظر آیا۔ اچانک ہم نے دیکھا کہ پانچ گھڑسوار تیزی سے ہماری طرف آ رہے ہیں۔ ظاہر تھا کہ یہ لوگ ہمارے دوست تھے۔ انہوں نے پشت پر ماؤزر بندوقیں لٹکا رکھی تھیں اور اپنے سروں پر سفید تولیے لپیٹ رکھے تھے جب وہ قریب پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ وہ سب کے سب مضبوط اور تنومند نوجوان تھے اور ان کی عمریں بیس سے تیس برس کے درمیان ہوں گی۔ پہاڑ کے دامن میں پہنچ کر وہ اپنے گھوڑوں سے اتر گئے۔ اور پیدل ہماری جانب بڑھنے لگے — "صدر ماؤ کہاں ہیں؟" انہوں نے بلند آواز میں ہم سے دریافت کیا۔

میں نے آگے بڑھ کر دریافت کیا کہ آپ کس لیے آئے ہیں؟ ان میں سے سب سے بڑی عمر والے شخص نے جو اب تک ہانپ رہا تھا اور اس کا چہرہ پسینے میں بھیگا ہوا تھا، بڑی گرمجوشی سے کہا — "ہمیں بوڑھے لیو نے صدر ماؤ کے نام ایک خط دے کر بھیجا ہے، وہ کہاں ہیں؟"

بوڑھا لیو! کیا یہ لوگ کامریڈ لیو چیہ تھان کا ذکر کر رہے ہیں؟

"کامریڈو —!" میں نے ان سے دریافت کیا۔ "کیا آپ کو کامریڈ لیو چیہ تھان نے بھیجا ہے؟"

"ٹھیک —!" انہوں نے ایک زبان ہو کر جواب دیا۔ اور سب سے بڑی عمر والے شخص نے ان کا خط میرے ہاتھ میں تھما دیا۔

میں خط لے کر فوراً صدر ماؤ کے پاس گیا۔ انہوں نے خط پڑھنے کے بعد مسکراتے ہوئے کہا — "کامریڈ! آپ نے بہت عمدہ کام کیا ہے!" تب کہیں جا کر انہیں معلوم ہوا کہ یہی وہ صدر ماؤ ہیں جن کا شمالی شینسی کے لوگ ایک مدت سے انتظار کر رہے ہیں۔ وہ ان کے گرد جمع ہو گئے۔ اور بے تابی کے ساتھ ان سے ہاتھ ملانے لگے۔

صدر ماؤ ان کو اس جگہ لے گئے جہاں ہمارے سپاہیوں نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ انہوں نے ان کے درمیان کھڑے ہو کر بلند آواز میں ان سے خطاب کیا

"کامریڈو ہم شمالی شینسی کے سوویت علاقے میں پہنچنے والے ہیں! ہماری ۲۵ ویں اور ۲۶ ویں آرمی نے دشمن کے محاصرے کی دوسری مہم کو ناکام بنا دیا ہے اور انہوں نے ہمارے



کومنتانگ کے جنگی سردار دُم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے

پاس اپنے چند آدمی روانہ کیے ہیں۔"

اس اعلان کو سن کر سپاہیوں نے بڑے جوش و خروش سے تالیاں بجائیں۔ سب لوگ نعرے لگانے لگے اور خوش ہو کر ایک دوسرے سے بغل گیر ہونے لگے۔

ہم ان پانچوں نووارد کامریڈوں کی رہبری میں شان جیا چھن نامی گاؤں میں پہنچے۔ اس رات صدر ماؤ بڑی دیر تک ان لوگوں سے باتیں کرتے رہے اور انہوں نے ایک خط لکھ کر ان کے حوالے کیا۔ یہاں تک کہ انہیں کھانے کا بھی وقت نہیں ملا۔ اگلے دن ہم نے ایک چھوٹے سے گاؤں میں قیام کیا جس کا نام ہمیں معلوم نہیں۔ وہاں چاول دستیاب نہیں تھے اور ہم صرف سنہرے رنگ کا باجرہ خرید سکتے تھے۔ چونکہ ہم تمام محافظ جنوبی علاقوں سے تعلق رکھتے تھے اس لیے ہم باجرے کو پکانے کا طریقہ کیا جانتے۔ ہم نے تو اسے کبھی دیکھا تک نہیں تھا۔ کیا کیا جائے؟ چونکہ وہاں بکریاں کثرت سے تھیں۔ اس لیے ہم نے ایک بکری خریدی اور رات کے لیے اس سے کھانا تیار کر لیا۔ جب ہم نے صدر ماؤ کے سامنے وہ ران پیش کی جو ہم نے ان کے لیے بچا رکھی تھی تو انہوں نے دریافت کیا ——"صرف گوشت کیوں؟"

"گاؤں میں ہمیں آٹا یا چاول نہیں ملا" تینگ شینچی جلدی سے بول پڑا ——"یہاں صرف باجرہ دستیاب ہے لیکن ہم اسے پکانے کا طریقہ نہیں جانتے!"

"اسے پکانا سیکھو، یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے" صدر ماؤ نے کہا ——"جب ہم کسی نئی جگہ پہنچیں تو ہمیں زندگی کے نئے قرینے سیکھنے چاہئیں، ورنہ ہم بھوکوں مر جائیں گے۔"

ہم وہاں سے یوں چل دیئے گویا ابھی جا کر فوراً باجرہ پکانا شروع کر دیں گے ——"ایسی بھی کیا جلدی ہے!" صدر ماؤ نے کہا۔ "اس وقت تو گوشت ہی سے کام چل جائے گا!"

چو چیہ سے لے کر اس چوٹی تک جو اسے کانسو شینسی کی سرحد سے ملاتی ہے۔ اسّی لی کے سفر کے دوران ہم نے کومنتانگ کے جنگی سردار ماہونگ کوے کی گھڑ سوار فوجوں کے ساتھ کم و بیش اٹھارہ لڑائیاں لڑیں۔ جب ہمارا مقابلہ ہوتا تو وہ دُم دبا کر بھاگ کھڑے ہوتے۔ ہم ان پر ہنسا کرتے تھے کہ یہ لوگ تو کومنچ کے جنگی سردار وانگ چھا لیہ کے موم کے سپاہیوں سے بھی گئے گزرے ہیں۔

ان فوجوں کے متعلق صدر ماؤ کی فقرے بازی ہماری مزاج کی حس کو بیدار کر دیتی ——"جب انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سامنا چینی کسانوں اور مزدوروں کی فوج سے ہے تو انہیں ہمارے مقابلے پر آنے کی جرأت نہیں ہوتی" وہ کہتے ہیں ——"وہ صرف بھاگ نکلنے میں مہارت رکھتے ہیں!"

پہاڑ کی چوٹی پر ایک بڑی سی تختی لگی ہوئی تھی۔ جس پر جلی حروف میں لکھا ہوا تھا۔

"سرحدی چوٹی" گویا یہ کانسو اور شینسی کی درمیانی سرحد کا نشان تھا۔ ہم اس تختی کے قریب اخروٹ کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر سستانے لگے۔

صدر ماؤ تختی کے دوسری طرف لکھے ہوئے حروف کو پڑھ رہے تھے:

"ہم دس صوبوں سے گزر چکے ہیں۔ انہوں نے ولولہ انگیز لہجے میں کہا۔ "اس پہاڑ کو پار کرنے کے بعد ہم گیارہویں صوبے شینسی میں داخل ہو جائیں گے جو ہمارے اڈے کا علاقہ، ہمارا گھر ہے۔"

سرحدی چوٹی سے ڈیڑھ روز کی مسافت کے بعد ہم وو چھی نامی قصبے میں پہنچ گئے جہاں ہم نے ایسے غاروں میں قیام کیا جس کے کمرے پہاڑوں میں سے کاٹ کر بنائے گئے تھے۔ ہم نے اپنی زندگی میں پہلی بار ایسے غار دیکھے تھے۔ اب ہم سوویت علاقے میں قدم رکھ چکے تھے۔

اس دوران صدر ماؤ دوسرے ممتاز لیڈروں کے ساتھ اس موضوع پر صلاح مشورہ کرتے رہے کہ ماہونگ کوے کی گھڑ سوار فوجوں سے نمٹنے کے لئے کس طرح مورچہ بندی کی جائے۔

آئندہ لڑائی کے تصور نے ہمارے سپاہیوں کے دلوں کو گرما دیا۔ "اب ہم اپنے گھر کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ ہمیں شمالی شینسی کے عوام کو فتح کا تحفہ پیش کرنا چاہیئے!"

آخر وہ عظیم دن بھی آ گیا۔ ہم صدر ماؤ کے ساتھ ایک بے آب و گیاہ پہاڑی پر کھڑے تھے۔ لڑائی کا آغاز ہوا تو ہماری مشین گنوں نے اپنے منہ کھول دیئے۔ دشمن کے دہشت زدہ گھوڑے ہماری گولیوں کی بوچھاڑ سے بچنے کے لئے ہنہناتے ہوئے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ وہ کبھی اپنے سواروں کو نیچے گرا دیتے اور کبھی ان کے ساتھ ڈھلوان سے نیچے لڑھک جاتے۔ جو زندہ بچے وہ جان بچانے کے لئے بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس چوٹی سے لڑائی کا منظر بڑا شاندار نظر آ رہا تھا۔ "جناب صدر" ہم نے کہا۔ "ہمارے پاس صرف دو ٹانگیں ہیں اور ان کے پاس چار، لیکن اس کے باوجود ہم نے انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا۔" ہمارے قہقہوں کی آواز میں ان کی آواز بھی شامل تھی۔

اس وقت جب کہ ہماری افواج ووچی نامی قصبے میں آرام کر رہی تھیں، ہم صدر ماؤ کے ساتھ شیا شیہ وان کی طرف جا رہے تھے جو شینسی کانسو کی صوبائی پارٹی کمیٹی اور صوبائی سوویت کا مرکز تھا۔ جب ہم روانہ ہوئے تو برف کے بڑے بڑے گالے گر رہے تھے ہم نے زیادہ کپڑے نہیں پہن رکھے تھے۔ اس کے باوجود ناہموار پہاڑی راستوں پر چلتے ہوئے ہم میں سے کسی نے بھی سردی محسوس نہیں کی۔ جھٹ پٹے کے وقت ہم شیا شیہ وان پہنچ گئے۔ دور سے ہمیں گھنٹیوں اور ڈھولوں اور بہت سے لوگوں کی ملی جلی آوازیں سنائی دیں۔ ہم نے دور سے دیکھا کہ گاؤں میں داخل ہونے کے راستے کے سامنے ایک کھلے میدان میں ایک بہت بڑا ہجوم جمع ہے لوگ صدر ماؤ کا استقبال کرنے کے لئے منتظر کھڑے تھے۔

جوں ہی ان کی نظر صدر ماؤ پر پڑی، وہ دیوانہ وار تالیاں بجانے لگے۔ گھنٹیوں اور ڈھولوں کے بے پناہ شور میں یہ ہجوم ہماری طرف بڑھا۔ انہوں نے سرخ اور سبز رنگ کے بینر اٹھا رکھے تھے، جن پر یہ نعرے لکھے ہوئے تھے۔

ہم صدر ماؤ کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

ہم مرکزی سرخ فوج کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

شینسی، کانسو، ننگشیا کے سوویت علاقے کو وسعت دو!

دشمن کے محاصرے تیسری مہم کے پرخچے اڑا دو!

چینی کمیونسٹ پارٹی زندہ باد!

صدر ماؤ جو اپنا وہی بوسیدہ اوور کوٹ پہنے ہوئے تھے، جسے وہ جیانگ سی سے لائے تھے اور اپنی پرانی ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ بار بار سر ہلاتے ہوئے ہجوم کی طرف اپنا ہاتھ لہراتے رہے۔ پھر لوگوں نے راستہ صاف کر دیا اور بیس پچیس سرکردہ کامریڈ صدر ماؤ سے مصافحہ کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ ان میں ۲۵ ویں آرمی کے کمانڈر کامریڈ لیو چیہ تھان اور سو ہائے تھانگ بھی شامل تھے۔ صدر ماؤ کے ساتھ کامریڈ چو این لائی، تنگ پی وو، سو تیہ لن، لو چیا اور شیہ چو ہیہ ژائے بھی ان سے ملنے کے لئے کھڑے تھے۔ انہوں نے باری باری ہر ایک سے ہاتھ ملایا اور ایک دوسرے کو متعارف کرایا۔

"ہم صدر ماؤ کا خیر مقدم کرتے ہیں!" ہجوم نے نعرہ لگایا ہر کونے سے فلک شگاف نعروں کی آواز گونج اٹھی۔

دو ٹانگوں والوں نے چار ٹانگوں والوں کو مار بھگایا

میں نے شینگ جی کے ساتھ مل کر نعرہ لگایا: "ہم فتح حاصل کر چکے ہیں، ہم فتح حاصل کر چکے ہیں۔"

صدر ماؤ کا مجھے اسکول بھیجنے کا فیصلہ

شمالی شینسی پہنچنے کے بعد ہم بہت جلد معمول کے مطابق کام کرنے لگے۔

۱۹۳۶ء کے موسم بہار میں ایک دن سرخ فوج کی اکیڈمی کے سیاسی شعبے کے ڈائریکٹر کامریڈ مو دن ہوا صدر ماؤ سے ملنے کے لئے آئے۔ وہ اکیڈمی میں نئے طلباء کے داخلے کے بارے میں بات چیت کرتے رہے۔ دوران گفتگو صدر ماؤ نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا اور کہا۔

"یہاں ہیڈکوارٹر میں کچھ آزمودہ کار لوگ موجود ہیں یہ لوگ اچھے کامریڈ ہیں اور لانگ مارچ کی آزمائش میں پورے اتر چکے ہیں۔ اگر ان میں سے بعض کو آپ کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیج دیا جائے تو کیسا رہے گا؟" کامریڈ کو نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"ہم ان کا خیر مقدم کریں گے، گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم کریں گے!"

چند روز کے بعد ایک صبح جب میں صدر ماؤ کے لئے منہ دھونے کا پانی رکھ کر واپس لوٹ رہا تھا کہ انہوں نے مجھے روک لیا اور کہا۔ "چین چھانگ فنگ! میں تمہیں سرخ فوج کی اکیڈمی میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیج رہا ہوں! تمہارا کیا خیال ہے؟"

میں فوری طور پر کچھ جواب نہ دے سکا۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ میرے ذہن میں مختلف قسم کے خیالات سر اٹھانے لگے مجھے، جس نے کبھی اسکول کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔ جس کا بچپن جاگیرداروں کے مویشی چرانے گزر گیا تھا، سچ مچ کے اسکول میں بھیجا جا رہا تھا۔ بے شک یہ میرے لئے خوشی کی بات تھی، لیکن مجھے صدر ماؤ کے ساتھ رہتے ہوئے تقریباً چھ سال ہو چکے تھے اور یہ کوئی مختصر عرصہ نہیں تھا۔ وہ مشکل سے مشکل دور میں بھی انتہائی مصروف ہونے کے باوجود ہمیشہ میرا خیال رکھتے تھے اور مجھے تعلیم دیتے رہتے تھے۔" وہ میری سیاسی تعلیم، عام تعلیم اور روزمرہ پیش آنے والی مشکلات، بلکہ زندگی کی چھوٹی موٹی باتوں میں بھی میرا خیال رکھتے تھے۔ انہی کی پدرانہ شفقت کے طفیل میں بتدریج طبقاتی جدوجہد اور اسی قسم کے بہت سے دوسرے مسائل کی حقیقت سے روشناس ہوا تھا۔ لیکن سب سے اہم بات یہ تھی کہ میں نے ان کی روزمرہ کی زندگی اور معمولات سے یہ سیکھا تھا کہ ایک سچا کمیونسٹ کیسا ہوتا ہے۔

صدر ماؤ میری ہچکچاہٹ کو بھانپ گئے اور انہوں نے پھر سوال کیا۔ "تو کیا تم تیار ہو؟"

"جناب صدر" میرا ..... میرا خیال ہے، مجھے نہیں جانا چاہئے۔

"کیوں؟"

"بس میں آپ کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔ اس کے علاوہ تعلیم تو میں آپ سے بھی حاصل کرتا رہوں گا۔"

صدر ماؤ میرے قریب آئے اور انہوں نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھے بیٹھنے کو کہا۔ وہ خود بھی میرے برابر بیٹھ گئے اور بڑے مشفقانہ لہجے میں کہنے لگے۔

"چین چھانگ فنگ، تمہیں اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ ہمارا انقلابی اڈے کا علاقہ روز بروز وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ ہمیں مختلف فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں کارکنوں کی ضرورت ہے ایسے کارکنوں کی ضرورت ہے جو پارٹی اور عوام کے وفادار ہوں۔ تمہیں میرے ساتھ رہتے ہوئے چھ سال کا عرصہ ہو گیا ہے۔ اس دوران تمہیں تعلیم حاصل کرنے کے لئے خاطر خواہ مواقع نہیں ملے۔ اب تمہیں اسکول جا کر باقاعدگی سے مطالعہ کرنا چاہیے تعلیم مکمل کرنے کے بعد تم پارٹی کے لئے بہتر کام کر سکو گے اور یہ میرے لئے بڑی خوشی کی بات ہو گی، تمہارا کیا خیال ہے؟"

وہ بڑی شفقت کے ساتھ مجھے دیکھتے رہے۔

"لیکن اگر میں چلا جاؤں گا تو آپ کی دیکھ بھال کون کرے گا۔؟" مجھے اس وقت بھی اس بات کا احساس تھا کہ یہ ایک بچکانہ سوال ہے۔

"تم اس کی فکر نہ کرو۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تمہارے جانے کے بعد تمہاری جگہ کسی دوسرے آدمی کو بھیج دیا جائے گا۔"

میں اٹھ کھڑا ہوا لیکن بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ پانی سے بھرا ہوا تسلا اپنے ساتھ اٹھا کر باہر لے گیا۔ حالانکہ ابھی انہوں نے ہاتھ منہ بھی نہیں دھوئے تھے۔ مجھے اپنی بدحواسی کا احساس اس وقت ہوا جب صاف و شفاف پانی میں میرے آنسو گرنے لگے۔

اس طرح میرے اسکول جانے کا مسئلہ طے ہو گیا۔ جس روز مجھے صدر ماؤ سے رخصت ہونا تھا اس رات میں بالکل سو نہ سکا اور تعلیم کی اہمیت، اسکول کی آئندہ زندگی اور صدر ماؤ کے متعلق سوچتا رہا: "میری جگہ کون آئے گا؟" "نیا کامریڈ صدر ماؤ کی عادات سے مانوس نہیں ہو سکے گا، پھر وہ ہمارے محبوب رہنما کی اچھی طرح دیکھ بھال کیسے کر سکے گا۔؟" اس خیال نے دوبارہ میرے ذہن میں ہلچل پیدا کر دی۔ میں اچھل کر بستر سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔ رات کافی گزر چکی تھی۔ صدر ماؤ کے کمرے میں اب بھی روشنی ہو رہی تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ میں آخری بار ان سے درخواست کروں گا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ رہنے دیں۔ لیکن جب میں کھڑکی کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہ لکھنے میں محو ہیں۔ میری ہمت جواب دے گئی۔ میں جانتا تھا کہ اگر میں اندر چلا گیا تو وہ میرے ساتھ باتیں کرنے لگیں گے۔ سالوں کے تجربے سے میں نے یہ سیکھا تھا کہ ان کے کام میں مخل نہیں ہونا چاہیے۔ میرے اس معمولی سے مسئلے کی ان کے اس عظیم کام کے مقابلے میں کیا حقیقت تھی، جس کا تعلق پورے ملک اور پوری پارٹی سے تھا۔ میں دبے پاؤں اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔

اگلے روز میں بہت تڑکے ہی اٹھ گیا۔ معمول کے مطابق میں صدر ماؤ کے دفتر میں گیا تاکہ کمرے کی صفائی کر دوں اور چیزوں کو دوبارہ ترتیب سے رکھ دوں۔ میں اس کام سے بخوبی آگاہ تھا، لیکن اب مجھے ان تمام باتوں کو الوداع کہنا تھا۔

اتنے میں صدر ماؤ کاغذ کے پیڈ اور پنسلیں پکڑے وہاں آ گئے۔ "تمہیں بہت جلد یہاں سے رخصت ہونا ہے۔ کمرے کی فکر نہ کرو، ذرا آرام کرو۔" انہوں نے پنسلیں اور پیڈ مجھے پکڑاتے ہوئے کہا۔ "یہ تمہارے اسکول کے استعمال کے لئے ہیں۔ اچھی طرح مطالعہ کرنا اور جب فرصت ہو تو مجھ سے آ کر مل لینا۔"

میں نے ان کا تحفہ وصول کیا۔ ان کی طرف دیکھتے ہوئے میرا گلا رندھ گیا اور آنکھیں بھر آئیں۔ میرے منہ سے ایک لفظ تک نہ نکل سکا۔

میرے سرخ فوج کی اکیڈمی میں داخل ہونے کے کچھ ہی عرصے بعد صدر ماؤ محاذ پر چلے گئے۔

میں نے کل چالیس دن تک وہاں تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد ایک سیکورٹی دستے کے انسٹرکٹر کی حیثیت سے میرا تبادلہ شمال مغربی سیکورٹی بیورو میں کر دیا گیا (مجھے شمال مغربی سیکورٹی دستے کا انسٹرکٹر مقرر کیا گیا تھا) اسی سال اگست میں صدر ماؤ شمالی شینسی کے محاذ سے واپس آ گئے اور میں ان سے ملنے کے لئے ان کے پاس گیا۔ جب میں کمرے میں داخل ہوا تو انہوں نے سب سے پہلے میری تعلیم کے بارے میں سوال کیا۔

"اب میں تعلیم حاصل نہیں کر رہا ہوں، بلکہ کام کر رہا ہوں" میں نے جواب دیا۔

(باقی آئندہ)

روح کا درد

مرزا قیصر جاوید

بوسیدہ کھڑکی میں شمع ابھی تک جل رہی ہے !! کمرے کی فضا میں اداسی اپنا رنگ جما چکی ہے ... گول میز کے گرد بیٹھا ہر شخص خود کو تنہائیوں کی آگ میں جلتا محسوس کر رہا ہے ـــــ ـ ـ ـ ـ میں بار بار سگریٹ کے گہرے کش لیتا ہوں کہ اسی طرح پرسکون خاموشی کا وجود بکھرے ـ ـ ـ ـــ مگر خاموشی چٹان کی طرح جمی ہوئی ہے۔

میں سگریٹ پھینک دیتا ہوں اور گول میز کے گرد بیٹھے چہروں کو گھورنے لگتا ہوں ـــ ـ ـ ـ ـــ میرے دائیں طرف پہلی کرسی پہ بیٹھا شخص ایک آرٹسٹ ہے۔ اس کی انگلیوں پر رنگوں کے قطرے بکھر بکھر کر جم گئے ہیں... اداس تخیل کو رنگِ حیات بخشنے والا یہ انسان خود اپنی زندگی کے خاکے کو ادھورا چھوڑے ہوئے ہے .... !!

دوسری کرسی پر نظر آنے والا چہرہ اس شاعر کا ہے جو اشعار کے روپ میں انسانی جذبات کا عکس صفحۂ قرطاس پر بکھیرتا ہے مگر خود ـــ ـ ـ ـ ـ لوِ حیات میں سلگتا رہتا ہے ـــــ احساس کی شاخ کو نت نئے خوش رنگ پھولوں سے آراستہ کرنے والا ـ ـ ـــ فکرِ انسانی کو عروج بخشنے والا ـ ـ ـــ اور نوائے زمانہ کو نئے جذبے عطا کرنے والا یہ شخص کتنا پُرخلوص ہے ـــــ ! مگر کتنا سنگ دل ہے یہ وقت اور کتنا خود غرض ہے یہ زمانہ جس نے اس کے ناتواں اور لرزتے جسم کو سہارا دینے کی بجائے مفلسی کی صلیب پر لٹکا رکھا ہے۔

میں دوسرے شخص کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں جس کی کھانسی بار بار فضا میں ارتعاش سا پیدا کر رہی ہے ـ ـ ـــ فلموں میں کام کرنے والا یہ ایکسٹرا... تاریک امیدوں کے گہرے سمندر میں ڈوبتا جا رہا ہے۔ مگر کون ہے جو اسے گہر سمجھ کر نکالے اور زمانے کو اس کی چمک سے روشناس کرائے ـــ ـ ـ ـــ شاید کوئی بھی نہیں ـ ـ ـ ! اور یہ ایکسٹرا یونہی ڈوبتا، ابھرتا موت کے ساحل کو چھوئے گا ـــ ـ ـ ـ ـ تب شاید کسی تعزیتی اجلاس میں اس کی موت پر چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے کوئی "بڑا فنکار" ہولے سے کہہ دے ـــ ـــ "آج وقت نے ہم سے جو شخص چھینا ہے۔ اس کی موت پر ہمیں افسوس ہے ـــــ !!" مگر اس کی بات کو بھی قہقہوں اور سگریٹوں کے دھوئیں میں اڑنا ہوگا ـــــ !!

میرے بالکل سامنے بیٹھی زرد چہرے والی عورت ایک ناچنے والی رقاصہ ہے جسے لوگ طوائف کے نام سے پکارتے ہیں ـــ ـ ـ ـــ زرد رنگت کو یہ میک اپ کی تہوں میں چھپائے رہتی ہے ـ ـ ـ ـ ـــ جذبات کو برہنہ کرنا جانتی ہے مگر درد کا اظہار کسی کے سامنے نہیں کر سکتی ـ ـ ـ ـ ـــ اس کی زندگی تھکاوٹ سے بھرپور ہے اور لوگ اس تھکاوٹ کو جامِ حیات سمجھ کر پی رہے ہیں ـ ـ ـ ـــ پائل کی جھنکار میں سرگوشیاں کرتی ہوئی سسکیاں اس کے جسم کے اندازِ دلربائی میں گم ہو جاتی ہیں اور یہ بے بسی سے تڑپتی رہ جاتی ہے۔

گول میز کے گرد اور بھی کئی چہرے ہیں جو زندگی کے صحرا میں بھٹکتے پھر رہے ہیں مگر منزل کا نشان ڈھونڈ نہیں پاتے ـ ـ ـ ـ ـــ میں یہ سب سوچتے ہوئے ایک نیا سگریٹ سلگاتا ہوں اور دھوئیں کا مرغولہ ساکت فضا میں جم سا جاتا ہے ـ ـ ـ ـــ ایکسٹرا دھوئیں کا شیدائی ہے۔ وہ میری طرف ہاتھ بڑھاتا ہے اور میں K-2 کی ڈبیا اس کے لرزتے ہاتھ میں تھما دیتا ہوں ـــــ !! وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے مجھ سے کہتا ہے

"یار ! میرا بس چلے تو اپنا وجود بھی سگریٹ کے دھوئیں کی طرح فضا میں تحلیل کر دوں ـــــ !!"

وہ مسکراتا ہے اور میں تنہائی کی بوجھل چٹان ٹوٹنے کی آوازیں سنتا ہوں۔

آرٹسٹ اپنی انگلیوں میں سگریٹ دبائے، جانے کس خیال میں گم بیٹھا تھا ـ ـ ـــ چونک کر ایکسٹرا کی ہنسی سننے لگا ـ ـ ـ ـــ پھر ذرا ٹھہرے ٹھہرے سے لہجے میں کہنے لگا :

"میں نے آج ایک ہجوم دیکھا جو جھونپڑیوں سے فلک بوس عمارتوں کی طرف رواں تھا ـ ـ ـ ـــ لوگ بڑی تیزی سے گرتے پڑتے چلے جا رہے تھے۔ میں رک کر ہجوم سے اٹھنے والی آوازیں سننے لگا ـ ـ ـــ ایک شخص چلّا چلّا کر کہہ رہا تھا ـــــ !

لوگو ـــ !! صبحِ نو سے اپنے تاریک مستقبل کو روشن کرو ـ ـ ـ ـ ـ ہم جو ماضی میں ظلم و استبداد کی چکّی میں پستے رہے ہیں۔ ہم جو اپنے بچوں کا تحفظ صرف اس لیے نہیں کر پائے کہ ہمارے پاؤں غربت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے ـ ـ ـ ـ ـــ ہم جو حالات و واقعات میں تاریک دنیا ٹھکرائے گئے۔ ہمیں ہر موڑ پہ زندگی کے دکھوں میں دھکیلا جاتا رہا ـــ ہم آج اپنے ماضی کی دردناکی پہ مستقبل کا نیا قصر تعمیر کریں گے۔ ـ ـ ـ لوگو ـ ـ ـ ـــ !!

اس کی آواز ڈوبنے لگی، کیونکہ وہ کافی آگے بڑھ چکا تھا ـ ـ ـ ـــ میں پیچھے سے آنے والے ایک اور شخص کی طرف متوجہ ہو گیا جو اپنے پھٹے پرانے کپڑوں میں روح کا درد چھپائے چیخ رہا تھا :

"تم جس خدا کے عذاب سے ڈراتے ہو وہ تمہارا اپنا خدا ہے۔ ہمارے ذہن افلاس زدہ ہیں ـــــ ہمارے لب پیاسے ہیں ـــــ اور ہمارے جسم لرزہ بہ اندام ہیں آخر ایسا کیوں ہے ؟ کیا تمہارا خدا الگ ہے اور ہمارا خدا الگ ـ ـ ـ ـــ ؟

آرٹسٹ بولتے بولتے رک جاتا ہے ـ ـ ـ ـ اور فضا میں اداس خاموشی چھا جاتی ہے ـــ سگریٹ

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں



پاکستان کے محنت کش
سرمایہ داروں سے سوّے بازی
بقائے باہمی اور ملی جلی معیشت
کے مخالف ہیں

۷ ، جون کی مزدور تحریک کا تجزیہ

تاج حیدر

۷ جون کی مزدور تحریک۔ سوشلسٹ تحریک کا سنگِ میل

کراچی کے مزدوروں کی ۷ ، جون تحریک کے متعلق طرح طرح کے خیالات پائے جاتے ہیں ۔ ایک طرف ایسے لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کا تختہ چند دنوں میں الٹ جائے گا ۔ دوسری طرف بہت سے ایسے کامریڈ ہیں جو علی الاعلان یہ کہتے ہیں کہ مزدوروں کی تحریک ناکام ہو گئی کیونکہ مزدور ڈپٹی کمشنر کا تبادلہ کرانے میں ناکام رہے ۔ مزدوروں کی اپنی صفوں میں حکومت کے اور سرمایہ داروں کے ایجنٹ ہیں جنہوں نے مزدوروں کو ہڑتال ختم کرنے پر مجبور کر دیا ۔ اور ہڑتال ختم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مزدوروں نے رجعت پسند قوتوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں ۔

یہ دونوں خیالات حالات کا سطحی جائزہ لینے اور موضوعی سوچ کا نتیجہ ہیں اور اس قسم کی باتیں کہنے والے محنت کشوں کی تحریک کے تاریخی ، عالمی ارتقا ، پاکستان میں سوشلسٹ انقلاب کے لیے ناساعد حالات اور مزدوروں اور کسانوں کی چھوٹی سے چھوٹی تحریک کے مثبت پہلوؤں کو یکسر نظر انداز کر کے ، صرف امید یا ناامیدی کے جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے نتائج اخذ کر رہے ہیں ۔ کیونکہ اگر مارکسزم ایک سائنس ہے جو ہمیں مخصوص طریقے سے کسی خاص عمل کا تجزیہ کرنا اور مشاہدات کی بناء پر نظریات قائم کرنا سکھاتی ہے تو ایک ہی عمل کے بارے میں اس قدر متضاد نظریات کا پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ ان میں سے ایک یا پھر دونوں نظریات کے پیچھے مارکسی مشاہداتی طریقہ کارفرما نہیں ہے اور اس تعلق کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے جو ۷ ، جون کی مخصوص تحریک اور پاکستان اور دنیا بھر میں پائی جانے والی عمومی انقلابی صورتِ حال میں موجود ہے ۔

"سوشلزم ہماری معیشت ہے" کے نعرے نے پیپلز پارٹی کو اقتدار تک پہنچایا

مزدوروں کی تحریک کا تجزیہ کرنے کے لیے ہمیں تین مراحل سے گزرنا ہوگا۔ پہلے مرحلے میں ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ آخر مزدور تحریک کا رُخ کیا ہے مزدور کیا چاہتے ہیں، ان کا نصب العین کیا ہے؟

دوسرے مرحلے میں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ کونسے عوامل اور کونسی قوتیں ہیں جو مزدوروں کو اپنے نصب العین کو حاصل کرنے میں ممد و معاون ہیں اور وہ کونسے عوامل ہیں اور وہ کونسی قوتیں ہیں جو مزدوروں کی راہ کو زیادہ دشوار بنا رہی ہیں۔

تیسرے مرحلے میں ہم یہ دیکھیں گے کہ، جون کی تحریک کے دوران اور اس تحریک کے نتیجے میں موافق قوتیں زیادہ مضبوط ہوئی ہیں یا مخالف عوامل کو عارضی کامیابی نصیب ہوئی ہے اور تحریک کے بعد کے عرصہ میں کیا حالات رونما ہوگئے ہیں۔ کیا مزدوروں نے اپنی کامیابیوں کو مستقل کیا ہے یا اس بات کا اندیشہ پایا جاتا ہے کہ مزدوروں سے ان کی کامیابیاں واپس چھین لی جائیں گی۔

مزدوروں کا نصب العین کیا ہے؟

پاکستان کی مزدور تحریک دیگر ایشیائی افریقی لاطینی امریکی ممالک کی مزدور تحریکوں کی طرح ایک سوشلسٹ تحریک ہے۔ اس کے مقاصد بالکل واضح ہیں یعنی سرمایہ دارانہ نظام کا مکمل خاتمہ اور سوشلسٹ نظام معیشت کی مکمل فتح چاہتی ہے۔ سرمایہ داری کے ساتھ کسی سودے بازی، بقائے باہمی، ملی جلی معیشت کا تصور اس کے لیے قابلِ قبول نہیں۔ یہ بات کوئی ایسی نہیں جو ابھی ابھی وقوع پذیر ہوئی ہو بلکہ یہ بہت پرانی ہے اور مزدوروں کے سیاسی شعور کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ یہ مطالبہ بھی زور پکڑتا گیا ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ ۱۹۶۷ء میں پاکستان پیپلز پارٹی کو جب مزدوروں کی حمایت کی ضرورت تھی تو انہوں نے ملی جلی معیشت یا مزدوروں کی اجرت میں اضافے کا نعرہ نہیں لگایا بلکہ کھل کر سرمایہ داری کی مخالفت کی۔ پیپلز پارٹی نے کھل کر اپنے اصول "سوشلزم ہماری معیشت ہے" کو مزدوروں تک پہنچایا۔ جس کے نتیجے میں مزدوروں اور کسانوں کے ووٹوں نے آج اس پارٹی کی قیادت کو اقتدار تک پہنچا دیا!

مزدور پاکستان پیپلز پارٹی کی جاگیردار قیادت سے بہت کچھ توقعات رکھتے تھے۔ مزدوروں کو کیا کہا جائے پارٹی کے اہم جیسے کارکن بھی اس بات کو یکسر نظر انداز کیے ہوئے تھے کہ جب بھی پرولتاریہ یا کسان بورژوا طبقے یا جاگیردار قیادت کا دم چھلا بنتا ہے تو اس کو ناامیدیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی صوبائی حکومت کے ارکان نہ صرف یہ کہ جاگیردار طبقے سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ سست اور نادان بھی ہیں۔ ان میں اتنی بھی سمجھ نہیں کہ حالات کا رُخ پہچان سکیں اور طوعاً کرہاً ہی بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دے سکیں۔ پرولتاریہ نے اس قیادت سے رشتہ صرف اس شرط پر استوار کیا تھا کہ سرمایہ داری کا خاتمہ کیا جائے گا۔ طبقاتی جدوجہد کو آگے بڑھایا جائے گا۔ اگر یہ قیادت سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کے سامنے ہتھیار ڈال دیتی ہے۔ طبقاتی جدوجہد کو آگے بڑھانے کے بجائے پرولتاریہ کے مفادات کے خلاف کام کرتی ہے، ان پر ظلم کرتی ہے تو یہ اعتماد کا رشتہ آپ سے آپ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس میں کسی وسیع پیمانے پر سیاسی پراپیگنڈے کی ضرورت نہیں اور پرولتاریہ خود اپنی قیادت میں طبقاتی جدوجہد کو آگے بڑھائے گی۔ اس میں جو بھی پرولتاریہ کا ساتھی بنے اور جو تاریخ کے اس بڑھتے ہوئے دھارے کو روکنے کی کوشش کرتا ہے وہ بصد شوق سامنے آئے اور مقابلہ کرے۔

طبقاتی جدوجہد کو آگے بڑھانے کے لیے مزدوروں کو کسی بیرونی طاقت کا آلہ کار بننے کی ضرورت نہیں نہ ہی اس

جاگیردارانہ قیادت کا
دم چھلا بننے سے ناامیدی
اور مایوسی کا
سامنا کرنا پڑتا ہے

طرح جدوجہد کو آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔ وہ خود اپنی معروضی قوتوں پر بھروسہ کرتے ہیں اور بالآخر یہی عوام کی طاقت ہے جو جدوجہد کو کامیابی سے ہمکنار کرتی ہے نہ ہی ان کو کسی قسم کی سازش کرنے کی ضرورت ہے عوامی تحریکیں سازشوں سے یا سازشی ماحول میں نہیں چلا کرتیں ان تحریکوں کو چلانے کے لیے صاف اور واضح طور پر تضادات کو سامنے رکھنا پڑتا ہے اور عوام کا سیاسی شعور بیدار کرنا پڑتا ہے۔

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مزدوروں کی تحریک ایک سوشلسٹ انقلاب کی تحریک ہے۔ ان کا مقصد طبقاتی جدوجہد کو آگے بڑھانا ہے تو پیپلز پارٹی کی حکومت کا تختہ الٹنا یا ڈپٹی کمشنر کا تبادلہ کرنا، یا اس قسم کی دوسری باتیں بہت ثانوی حیثیت حاصل کر لیتی ہیں۔ اور ہم ان باتوں کو تحریک کا مقصد اولین قرار نہیں دے سکتے اور نہ ہی اس پیمانے سے ہم مزدوروں کی تحریک کی کامیابی یا ناکامی کو جانچ سکتے ہیں۔

ہمارے مزدور اس نکتہ کو بہت اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ پیپلز پارٹی کی حکومت کا تختہ الٹنا دائیں بازو اور نام نہاد بائیں بازو کی سیاسی پارٹیوں کا مقصد تو ضرور ہو سکتا ہے اور ہے۔ بیرونی ممالک کے ایجنٹ اس کام میں پیش پیش ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ مقصد مزدور تحریک کا ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ اس بات کا اس سے بڑھ کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ کراچی کے باشعور مزدوروں نے نہ صرف یہ کہ اپنے پلیٹ فارم سے سیاسی پارٹیوں کو سیاست لڑانے کی اجازت نہیں دی ہے بلکہ ان کے ایجنٹوں کو اپنی صفوں سے نکال باہر کیا۔

اب اگر کوئی شعبدہ باز یہ کہتا ہے کہ مزدوروں کی تحریک (طبقاتی جدوجہد سوشلسٹ تحریک) آگے نہیں بڑھ سکتی۔ جب تک کہ ان کی تحریک کو نام نہاد "سوشلسٹ جماعت" کی حمایت حاصل نہ ہو تو مزدور اس بات کو خوب سمجھتے ہیں کہ وہ کرسی پر بیٹھنے کے لیے مزدوروں کی تحریک کی حمایت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کے کرسی پر بیٹھنے سے طبقاتی جدوجہد آگے نہیں بڑھے گی۔ اس کو اپنے غلط مقاصد کے لیے مزدوروں کو غلط راہ پر ڈالنے کی ضرورت ہے لیکن مزدوروں کو اپنے عظیم مقاصد کی تکمیل کے لیے کسی پارٹی کو اپنے سر پر بٹھانے کی ضرورت نہیں، وقت آنے پر وہ اپنی پارٹی خود بنا لیں گے۔ جس کی قیادت پرولتاریہ کے ہاتھ میں ہوگی۔

حکام کے تبادلے پر اصرار مزدور صرف اس لیے کر رہے ہیں کہ ان کی موجودگی میں یہ خطرہ تھا کہ عدالتی تحقیقات



ایک ڈپٹی کمشنر کے تبادلے سے انقلاب نہیں آسکتا

صحیح طور پر نہ ہو سکے گی اور وہ لوگ اپنا اثر و رسوخ استعمال کرکے حق اور انصاف کی راہ میں روڑے اٹکائیں گے ۔ یہ اندیشہ اب بھی قائم ہے لیکن اگر یہ لوگ انصاف کی راہ میں دشواریاں پیدا کرتے ہیں ۔ تب بھی وہ ظلم عوام کی نظروں میں ظلم ہی رہے گا ، انصاف نہیں بن سکے گا ۔ اور مزدور اپنی صحیح حکمت عملی کے ذریعے حکام کے اس روّیے کو بھی طبقاتی جدوجہد آگے بڑھانے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ میں پھر اس بات کو دہراؤں گا کہ ایک ڈپٹی کمشنر کی تبدیلی اور دوسرے کی تقرری طبقاتی جدوجہد آگے بڑھانے کے لیے کوئی شرط لازم نہیں ہے ۔ نہ ہی یہ مزدور تحریک کا مقصد ہے ۔ ہمارے مزدور رہنما اس بات کو وقار کا مسئلہ بنائے بغیر تمام دیگر مفادات اور خدشات کا جائزہ لے کر اگر اس بات پر وقتی پسپائی اختیار کرتے ہیں تو ہم اس کو پوری تحریک کی ناکامی یا ہر محاذ پر پسپائی کا درجہ کس طرح دے سکتے ہیں ؟

جب ہم ایک بار اس بات کا تعین کر لیتے ہیں کہ پرولتاریہ کا نصب العین سوشلسٹ انقلاب ہے ۔ نیز یہ کہ پرولتاریہ ، بورژوائی یا جاگیرداروں کا دُم چھلّا بن کر ان مقاصد کو حاصل نہیں کر سکتی ۔ تو پھر تجزیے کے دوسرے مرحلے پر موافق اور مخالف عوامل کا تعین کرنا زیادہ آسان ہو جاتا ہے ۔

(۱) ـــــ پرولتاریہ کا بڑھتا ہوا سیاسی شعور اور سوشلسٹ مقاصد پر اس کا یقین کامل طبقاتی جدوجہد کو آگے بڑھانے میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے ۔ اجرتوں کی اور چھٹیوں کی یا منافع میں شرکت کی جدوجہد جو سوشلسٹ انقلابی مقاصد کو پس پشت ڈال دیتی ہے ۔ اور سرمایہ داری کے ساتھ نباہنے باہمی کے نظریے پر چلتی ہے ۔ مزدوروں کو اپنی راہ سے ہٹانے کے مترادف ہے ۔

(۲) ـــــ مزدوروں کا باہمی اتحاد ، ان کی تنظیمی صلاحیت ، جمہوری مرکزیت ، ان کی قیادت کا ان کے ساتھ گھل مل کر رہنا ، انہیں فیصلوں میں شریک کرنا کامیابی کے لیے شرطِ اول ہے ۔ انتشار ، بدنظمی ، قیادت کا آمرانہ رویہ ، سازشی ماحول مزدوروں سے قیادت کا کٹ کر رہنا تحریک کو نقصان پہنچاتے ہیں ۔

(۳) ـــــ مزدوروں کا رنگ و نسل و زبان سے بالاتر ہو کر محنت کش طبقے کے اجتماعی مفاد میں کام کرنا اور عام قومیتوں کے اتحاد کو فروغ دینا جدوجہد کو آگے بڑھاتے ہیں ۔ مزدور ، اگر پٹھان ، مہاجر ، سندھی ، پنجابی ، فرقہ وارانہ تعصبات کا شکار ہو جاتے ہیں تو ان کی تحریک کو نقصان پہنچے گا ۔

(۴) ـــــ پاکستان پیپلز پارٹی اور دیگر ایسی سیاسی جماعتیں جو سوشلزم کا نام لیتی ہیں ۔ لیکن بورژوا اور جاگیردار قیادت کا شکار بنی ہوئی ہیں ، اپنے اندر ایسے کارکنوں کی ایک بڑی تعداد رکھتی ہیں جو بائیں بازو کے ہیں اور مزدور کسان راج میں یقین رکھتے ہیں ۔ بلکہ میں یہ کہوں گا کہ وہ مزدور کسان راج کے وعدے پر ہی ان جماعتوں میں شامل ہوتے ہیں ۔ ان پارٹیوں کی قیادت اور ان کے بااصول کارکنوں میں ایک مخصوص تضاد پایا جاتا ہے ۔ بعض جگہ یہ تضاد ظاہر نہیں ہوا ہے لیکن بہت سی جگہ بالخصوص پاکستان پیپلز پارٹی میں یہ تضاد خاصی واضح شکل میں موجود ہے ۔ کئی جگہ یہ تضاد معاندانہ شکل بھی اختیار کر گیا ہے ۔ اس تضاد کو حل کرنے میں اگر ان پارٹیوں کے کارکن انقلابی سہل پسندی کی جگہ اگر منظم اور صحیح طریقے استعمال کرتے ہیں ۔ اور اگر اس کے نتیجے میں وہ جاگیردارانہ قیادت سے آزاد ہو جاتے ہیں تو یہ بات ملک کے مزدور طبقے کی جدوجہد کے لیے بڑی خوش آئند ہوگی ۔ اگر اس جدوجہد میں جاگیردارانہ قیادت اور ان کے چمچوں کی جیت ہوتی ہے ۔ کارکن مایوس ہو کر گھر

حکومت نے تمام
الزام نوکر شاہی
کے
سر تھوپ دیا

بیٹھ جاتے ہیں اور قیادت کی بلا روک ٹوک کھلی چھٹی مل جاتی ہے تو مزدوروں کی جدوجہد اور زیادہ دشوار ہوگی ۔

(۵) ـــــ پاکستان پیپلز پارٹی کی جاگیردارانہ قیادت میں آپس میں بڑے زبردست اختلافات پائے جاتے ہیں ۔ یہ لوگ اور ان کے چمچے مختلف گروپوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ان میں وزارتوں ، عہدوں ، واٹر سپلائی ، زبان حتیٰ کہ کرکٹ تک کے مسئلے پر آپس میں ٹھنی رہتی ہے ۔ پیپلز پارٹی کی قیادت کے آپس کے تضادات مخلص کارکنوں کی مدد کرتے ہیں اور نتیجتاً پاکستان پیپلز پارٹی کی مفاد پرست قیادت میں مزدور دشمن اتحاد ہو جاتا ہے خواہ وہ کتنا ہی وقتی کیوں نہ ہو اور اس کے اثرات کتنے ہی مختصر کیوں نہ ہوں اس سے سوشلسٹ انقلاب کی راہ دشوار ہوگی ۔

(۶) ـــــ اس سے آگے کے مرحلے پر اگر مفاد پرست قیادت ، سرمایہ داری ، نوکر شاہی اور پولیس کا اتحاد ہو جاتا ہے جس کا غلط مظاہرہ ہم نے واضح طور پر ۷ جون کو دیکھا تو یہ قوتیں مزدوروں کی تحریک کو دبانے کی پوری پوری کوشش کریں گی ۔ اس کے برخلاف اگر ان کے مفادات ایک دوسرے سے متصادم ہوتے ہیں تو مزدوروں کو موقع فراہم ہوتا ہے کہ وہ سرمایہ داری اور نوکر شاہی کے خلاف اپنی جدوجہد کو تیز کر سکیں ۔

(۷) ـــــ مزدوروں میں انقلابی بنیادوں پر معاشی کام کی اہمیت بہت زیادہ ہے ۔ اگر مزدور امداد باہمی کے ذریعے اپنی اجتماعی قوت کے بل بوتے پر اپنے معاشی تعلیمی صحت اور صفائی کے مسائل حل کر لیتے ہیں ۔ یا اس سلسلے میں پیش آنے والی دشواریوں میں کسی قسم کی کمی کرتے ہیں تو یہ عمل سوشلسٹ انقلاب پر ان کے یقین کو اور مستحکم کرے گا ، ان میں خود اعتمادی پیدا کرے گا اور وہ اپنے مسائل کے حل کے لیے باہر کی امداد پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیں گے ۔ دوسری صورت میں ان کے معاشی اور دیگر مسائل ان کو ہمہ وقت تنگ کرتے رہیں گے ۔ موقع پرست ان مسائل کو وقتی طور پر حل کرنے کے بہانے مزدوروں کی صفوں میں گھس کر ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کریں گے اور سوشلسٹ انقلاب اور مزدوروں کے اجتماعی قوت پر مزدوروں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچے گی ۔

اپنے تجزیے کے تیسرے مرحلے پر ہم دیکھیں گے کہ ۷ جون کی تحریک کے نتیجے میں کن مندرجہ بالا مثبت اور منفی قوتوں کی ترقی ہوئی ہے اور کن کی پسپائی ! جہاں تک مزدوروں کے بڑھتے ہوئے سیاسی شعور اور سوشلسٹ انقلاب میں ان کے یقینِ محکم کا ذکر ہے اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اب یہ ایک اونچے درجے تک پہنچ چکے ہیں ۔ ہم عرصے سے دیکھ رہے ہیں کہ مزدور صرف اجرتوں میں اضافے کے لیے جدوجہد

آٹھ فیڈریشنوں کا اتحاد، مزدور اتحاد کی علامت ہے

نہیں کر رہا بلکہ اس کی جدوجہد کا مقصد واضح ہو چکا ہے سرمایہ داری کا خاتمہ۔ ۷ رجون کی تحریک میں یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ مزدوروں نے حکومت سے سودے بازی نہیں کی۔ انہوں نے شہیدوں کے خاندانوں کو ملنے والی امدادی رقوم کو ٹھکرا کر لیبر پالیسی میں تبدیلی کو زیادہ اہمیت دی۔ کم سے کم سندھ کے مزدوروں کا سیاسی شعور اب اس درجے پر پہنچ چکا ہے جہاں وہ سرمایہ داری کے ساتھ نباہ کے باہمی کے نظریے کو رد کرتے ہوئے سوشلزم کو عوام اور ملک کے مسائل کا واحد حل سمجھتے ہیں۔ ثبوت کے طور پر دیکھ لیں کہ آج مزدوروں میں دائیں بازو کی کسی سیاسی جماعت کا وجود نہیں ہے۔

کراچی کے مزدور تنظیمی طور پر مختلف فیڈریشنوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ نیز کارخانوں میں بھی نور خان کی لیبر پالیسی کے بعد ایک سے زیادہ یونینوں کے قیام کی قانونی اجازت مل گئی تھی۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جو مزدوروں کے اتحاد کو نقصان پہنچاتی ہے اور مزدوروں میں پاکٹ یونینوں کے قیام میں راہ ہموار کرتی ہے۔

حالیہ لیبر پالیسی میں اسٹیوارڈ سسٹم، ورکس کونسل، ہر انڈسٹری کے شعبہ کی الگ فیڈریشن، یہ تمام ایسی چیزیں ہیں جو مزدوروں کو متحد ہونے سے روکتی ہیں۔ مزدوروں میں اس کا ردعمل ہوا۔ کیونکہ پرولتاریہ بنیادی طور پر متحد اور منظم ہونا چاہتا ہے۔ پرولتاریہ کے اسی جذبے نے آٹھ فیڈریشنوں کو مجبور کیا کہ وہ متحد ہو کر لیبر پالیسی پر غور کریں اور اس سلسلے میں لائحہ عمل کو ترتیب دیں۔ تحریک کے دوران آٹھ فیڈریشنوں کا جو اتحاد دیکھنے میں آیا جس کے نتیجے میں مزدور رہنما نبی احمد کھل کر مزدور کنفیڈریشن کی تجویز پیش کر رہے ہیں، اس کی داغ بیل ۷ رجون سے پہلے ہی پڑ چکی تھی۔ مزدوروں کی فیڈریشنوں نے لیبر پالیسی پر غور کرنے کے بعد ۱۲ رجون کو مشترکہ اجلاس بلایا تھا۔ لیکن اس اجلاس سے قبل ہی بے شمار مزدوروں کو ۷ اور ۸ رجون کو شہید کر دیا۔ مزدور رہنماؤں نے کسی تحریک کی تیاری نہیں کی تھی۔ انہوں نے باہمی اتحاد کے لیے بنیادی باتیں تک اس مرحلے پر طے نہیں کی تھیں۔ جب کہ غیر متوقع طور پر ان کو ایک ایسی تحریک چلانے کی ذمہ داری اٹھانی پڑی جو اپنے شروع کے دو دنوں ہی میں تیس سے زیادہ مزدور شہیدوں کے خون سے سرخرو ہو گئی۔

مزدوروں نے جس طریقے سے متحد ہو کر ہڑتال چلائی جس قدر نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا اس کا اعتراف مخالفین بھی کرتے ہیں۔ اس عرصے میں حکومت نے اور مختلف سیاسی جماعتوں نے ان فیڈریشنوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ ایک نوخیز سیاسی جماعت کراچی کے جنہیں ہوٹل میں پائی جاتی ہے۔ اس نے مزدور علاقوں میں اشتہار لگوائے جس میں مزدور قیادت پر رکیک حملے کیے گئے۔ اور ان میں باہمی اختلافات کو ابھارنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن مزدوروں کا اتحاد اور تنظیم اب اس درجے تک پہنچ چکی ہے کہ اس قسم کے تمام ہتھکنڈے ناکام ہو گئے۔ ان فیڈریشنوں کا کردار ماضی میں متضاد رہا ہے۔ ان میں آپس میں اختلافات رہے ہیں۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ مزدوروں کے اتحاد کی ان فیڈریشنوں نے عکاسی کی۔ اور باہمی اختلافات کو بھلا کر کشمکش کے نازک دور میں مزدوروں کے اجتماعی مفاد کے لیے کام کیا۔

مخالف قوتوں نے اپنی پوری کوشش کی کہ نسل و قومیت اور زبان کے مسائل اٹھائے جائیں۔ مزدوروں کی تحریک کے دوران حکومت کی طرف سے بار بار سندھی اردو کے مسئلے پر بیان بازی ہوئی۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ فرقہ وارانہ نوعیت کا ایک بھی واقعہ نہیں ہوا بلکہ ہر قومیت کے مزدوروں نے سرخ جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر شانہ بشانہ جدوجہد کی۔ مخالفوں کے شر انگیز پروپیگنڈے کے فوراً بعد پٹھان بستیوں کے مزدور مہاجر بستیوں میں گئے۔ وہاں جلسے کئے اور مہاجر بستیوں کے مزدوروں نے انہیں جدوجہد میں اپنی مکمل شرکت اور ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔ غرض یہ کہ اس قسم کے پروپیگنڈے کا اثر الٹا ہوا ہے اور آج ہر قومیت کے مزدور حتیٰ کہ بنگالی مزدور تک طبقاتی جدوجہد میں پوری طرح منہمک ہیں۔

نئی لیبر پالیسی
نور خان کی
لیبر پالیسی کا
چربہ ہے

پاکستان پیپلز پارٹی کے مخلص کارکنوں اور اس کی مفاد پرست قیادت اور ان کے چمچوں کے درمیان پائے جانے والے تضاد کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں علم ہے کہ پیپلز پارٹی سوشلزم کے نعرے پر اور مزدوروں کسانوں کے ووٹوں سے کامیاب ہوئی ہے۔ اس میں ایک بہت بڑی تعداد ایسے مخلص کارکنوں کی ہے۔ جنہوں نے انتہائی نازک دور میں آمریت کے خلاف جدوجہد کی ہے اور سوشلسٹ انقلاب کے لئے کام کیا ہے۔ یہ کارکن ان دشوار دنوں میں پیپلز پارٹی کی ریڑھ کی ہڈی بنے رہے ہیں۔ الیکشن جیتنے کے بعد پارٹی میں نئے نئے چہرے نظر آنے لگے۔ مخلص اور پرانے کارکن نظر انداز کئے جانے لگے۔ حکومت میں جانے کے بعد وزراء نوکر شاہی کی گود میں جا کر بیٹھ گئے۔ عوام کے مسائل جوں کے توں رہے۔ مہنگائی میں اضافہ ہوا اور رشوت ستانی اسمگلنگ میں اضافہ ہو گیا۔ یہ تمام باتیں ۷ رجون سے پہلے بھی مخلص کارکنوں کے لئے بڑی پریشانی کا باعث تھیں۔ پارٹی کی اہمیت کو ختم کر کے کارکنوں کو گھر بٹھا دیا گیا تھا اور پورے پاکستان میں کارکنوں کی بے اطمینانی اور قیادت پر عدم اعتماد، بدنظمی، بار بار واضح احتجاج کی صورت میں ظاہر ہو رہی تھی۔

۷ رجون کے واقعہ اور پر حکومت کے طرز عمل اور پارٹی کے عہدے داروں کی مکمل بے حسی کے بعد میں نہیں سمجھتا کہ سندھ کے اندر کوئی بھی مخلص کارکن اس قیادت کے اندر کام کر سکتا ہے۔

۷ رجون تحریک نے ہر چند ان تضادات کو اور آگے بڑھایا ہے۔ لیکن اس تضاد کے حل کے لئے ابھی خاطر خواہ طور پر تنظیمی کام نہیں ہوا ہے اور نہ ہی مزدور تحریک اور پارٹیوں کے مخلص کارکنوں کے درمیان کوئی مستحکم رابطہ قائم ہوا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ حالات کے پیش نظر اس قسم کا رابطہ اشد ضروری ہے۔

کارکن اپنے اپنے حلقوں میں ایک عرصے سے ان باتوں پر گفتگو کر رہے ہیں۔ ۷ رجون کی مزدور تحریک کے بعد کارکنوں کے ذہن اس بارے میں اور صاف ہو گئے ہیں۔ لیکن ضرورت منظم ہونے کی ہے۔ کیونکہ بغیر منظم ہونے اور اپنی قوت پر بھروسہ کئے اس تضاد کا حل کافی دشوار ہے۔

سرمایہ داری اور نوکر شاہی کا اتحاد عوام کے خلاف کافی مستحکم ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی ان دو قوتوں کے خلاف مہم چلا کر حکومت تک پہنچی ہے۔ شروع شروع میں کوشش کی گئی کہ ان کو راہ راست پر لایا جائے۔ لیکن ان کی قوت ایک غیر منظم اور

باقی صفحہ ۴۲ پر



یہ جناب سید محمد تقی کے خیالات ہیں جن سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

اظہار خیال

اردو — یا — سندھی — یا دونوں؟

چند غلط فہمیوں کی وضاحت اور ازالہ

سیّد محمّد تقی

ہفت روزہ الفتح کی تازہ تر اشاعت میں اردو تحریک سے متعلق کئی رپورتاژ اور مضامین اشاعت پذیر ہوئے ہیں افسوس ہے کہ ان میں بعض بڑی واضح اور صاف غلط بیانیاں کی گئی ہیں۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ ابن انشاء صاحب کو وفد میں شریک نہیں کیا گیا۔ انشاء جی جاپان میں تھے اس لیے ان کی شرکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

وفد کے ارکان کا تعین حکومت نے کیا تھا اس لیے ویسے بھی اردو تحریک والوں پر کسی کے شریک کرنے یا نہ کرنے کا الزام دھرنا صحیح نہیں ہے۔ البتہ یہ واقعہ ہے کہ ایک جلسے میں جو ڈاکٹر قریشی کے مکان پر ہوا تھا، ارکان وفد میں سے چار کے ناموں پر اعتراض کیا گیا تھا۔ جن حضرات کے ناموں پر اعتراض تھا وہ یہ تھے۔ شوکت صدیقی ابراہیم جلیس، ابن انشا اور حسین امام! اعتراض یہ تھا کہ ان میں سے اول الذکر تین حضرات کو اردو کی تحریک سے کوئی دلچسپی نہیں۔

وفد کے ارکان پر جلسے والے صرف اعتراض ہی کر سکتے تھے کسی کو جانے سے روک نہ سکتے تھے اس لیے کہ دعوت تو حکومت نے دی تھی۔ جہاں تک اعتراض کا تعلق ہے وہ اس لیے بھی غلط تھا کہ جلیس صاحب جو کہ پنڈی مذاکرات میں شریک ہوئے اردو والوں کے لیے مفید ہی ثابت ہوئے اور ان کی موجودگی مسائل کے حل میں مفید ثابت ہوئی۔ پھر جلیس صاحب ہمیشہ اردو کے لیے کام کرتے رہے ہیں تو مذکورہ اعتراض کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ شوکت صاحب اس اشتعال انگیز اعتراض سے بجا طور پر خفا تھے اور میرے شدید اصرار کے باوجود وہ پنڈی نہیں گئے اور بالکل حق بجانب طور پر اس لیے کہ اس نوع کی غیر ذمہ دار اشتعال انگیزیاں واقعی دل توڑ دیتی ہیں۔ پھر یہ حقیقت نظر انداز کرنے کی نہیں ہے کہ مذکورہ جلسے میں کوئی دو سو آدمی شریک تھے۔ مگر اعتراض کی آواز ایک دو آدمیوں نے بلند کی لہٰذا یہ سمجھنا بھی صحیح نہ ہوگا کہ سب اس اعتراض سے متفق تھے۔ شوکت صاحب اور جلیس صاحب کے متعلق بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ وہ اس نقطۂ نظر سے برابر متفق رہے ہیں جو اردو اور سندھی دونوں سے محبت کے بارے میں ہمارا تھا۔ یہاں یہ بات بھی بھولنے کی نہیں کہ شوکت صاحب جو مارکسی نظریے کی گہرائیوں سے واقف ہیں اس موقف کو کہ اردو اور سندھی دونوں صوبے کی زبانیں ہیں مارکسیت کی کسوٹی پر پوری طرح پرکھ کر صحیح سمجھتے ہیں۔ شوکت صاحب بائیں بازو کے دانش وروں کے اُس جلسے میں بھی موجود تھے جو میرے مکان پر ہوا تھا اور انہوں نے جلسے کی کارروائی کی مفید رہنمائی بھی کی تھی۔ اس جلسے میں جلیس صاحب شریک ہوتے مگر وہ ایک عزیز کے آپریشن میں پھنس گئے تو ان دونوں کی شرکت پر اعتراض واضح طور پر غلط تھا۔

رہے میرے عزیز دوست ابن انشاء سو وہ جاپان میں تھے اور اس لئے ابتداء سے تحریک سے متعلق نہ ہو سکے۔ واقعہ یہ ہے ساری تحریک ادیبوں، دانش وروں اور دوسرے حضرات کے ایک دستخطی بیان سے شروع ہوئی تھی اور الفتح کے مضمون نگار صاحبان نے جن بزرگ ادباء کا ذکر کیا ہے تقریباً سب ہی سے رجوع کی سعی کی گئی۔ بعض حضرات سے ارتباط قائم نہ ہو سکا اور بعض کی سرکاری مجبوریاں حائل آگئیں اس لئے ان کا تحریک سے وابستہ ہونا ممکن نہ ہو سکا یہاں صوبائی رشتوں کا مسئلہ سامنے نہ تھا بلکہ مسئلہ سرکاری مجبوریوں یا ارتباط کا تھا چنانچہ اردو کانفرنس میں جب صدارت کا سوال سامنے آیا تو پہلے سندھی اردو دانوں سے تعلق قائم کیا گیا لیکن واضح مجبوریوں کی بناء پر وہ صدارت قبول نہ کر سکے۔ بعض دوسرے حضرات اپنے سرکاری فرائض کی بناء پر شرکت سے معذور رہے۔ لہٰذا یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ بعض کو تحریک میں شامل کیا گیا بعض کو نہیں۔ شامل تو سب کو کرنا چاہا مگر ہر شخص ناگزیر حالات کا شکار رہتا ہے اس لئے بہت سے حضرات شمولیت سے معذور رہے۔ اتنا بیوقوف تو کوئی نہیں ہو سکتا کہ اردو کی تحریک میں صوبائی حد بندیوں کا خیال رکھے لہٰذا یہ سوچنا کہ کسی نے اس نوع کا خیال رکھا تھا۔ ان لوگوں کی سوجھ بوجھ کے ساتھ ناانصافی ہے جو اس تحریک سے تعلق رکھتے تھے۔

جہاں تک اصل موقف یعنی اردو اور سندھی دونوں کو صوبے کی سرکاری زبان بنانے کا تعلق ہے۔ سو اس بارے میں جناب وہاب صدیقی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس پر کچھ کہنا ضروری ہے۔" ان کے جملے یہ ہیں..... "اسٹالین نے کہا ہے کہ کسانوں کی زبان کو صوبائی زبان بنانا چاہیئے کیونکہ وہ اکثریت میں ہوتے ہیں....." وہاب صاحب نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ سندھی کسانوں کی زبان ہے اس لئے وہ صوبے کی زبان ہونی چاہیئے۔ انہوں نے یہ نتیجہ بھی نکالا ہے کہ کسانوں اور محنت کشوں کے علاوہ کوئی اور زبان کی تحریک چلائے۔ تو تحریک انقلاب دشمن ہوگی۔

اب اس قول اور نتائج کا جائزہ لیجئے۔ سوال یہ ہے۔ کیا صوبہ سندھ میں ہاریوں کی تعداد زیادہ ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کیا محنت کش طبقہ اردو کا حامی ہے یا سندھی کا۔ مضمون نگار کو اس حقیقت کا علم نہیں کہ صوبہ سندھ ان علاقوں میں شامل ہے۔ جہاں دیہی آبادی، شہری آبادی سے کم ہے۔ سندھ میں دیہی آبادی ۳۵ فی صد اور شہری آبادی ۶۵ فی صد ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ ہاریوں کی صوبے میں اکثریت ہے اور اس لئے ان کی زبان صوبائی زبان ہونی چاہیئے۔ صحیح نہیں۔ پھر یہ بات بھی حقیقت سے بعید تر ہے کہ تمام دیہی آبادی کی زبان سندھی ہے۔ اس لئے کہ سندھ کے بہت سے ہاری دوسری زبانیں بولتے ہیں۔ مثلاً جیکب آباد کے دیہات میں بلوچی کا چلن ہے۔ بعض

باقی صفحہ ۳۳ پر ملاحظہ فرمائیں

پیپلز پارٹی کی تنظیم

قائدین پارٹی کے منشور کی خلاف ورزی کر رہے ہیں

محمد رحیم کمبھار سیکریٹری اطلاعات پیپلز پارٹی کھپرو

کھپرو ضلع سانگھڑ کا سب سے بڑا تعلقہ ہے اور تعلقہ کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ اِس تحصیل کی آبادی کی اکثریت پیر صاحب پگارو کے مریدوں کی ہے۔ ان کے مرید حُر کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ پیر صاحب پگارو مسلم لیگ (قیوم گروپ) سے وابستہ ہیں۔ اِس لئے جب پاکستان پیپلز پارٹی قائم ہوئی تو اس تحصیل میں اس پارٹی کے حامی اور کارکن ہونا تو درکنار پیپلز پارٹی کا نام لینا ہی ناقابل معافی جرم اور گناہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن غریب اور مخلص کارکنوں نے اپنی جان پر کھیل کر پیپلز پارٹی کے لئے شب و روز کام کیا۔ کیونکہ پیپلز پارٹی نے جو منشور مرتب کیا تھا اس میں "سوشلزم ہماری معیشت ہے، طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں" کو بنیادی حیثیت دی گئی تھی۔ جب یہ منشور عوام کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو صدیوں سے کچلے ہوئے مظلوم و محکوم عوام وڈیرہ شاہی کے شکار ہاریوں اور سرمایہ داری کے جنگل میں گرفتار محنت کشوں کو اس منشور میں اپنی نجات نظر آئی۔ چنانچہ کھپرو تحصیل کے جیالے اور عوام دوست کارکنوں نے پیپلز پارٹی کے لئے کام کرنا شروع کر دیا۔ گھر گھر پارٹی کا پروگرام پہنچایا۔ پرچار کیا۔ حالانکہ ان کی جانیں ہر وقت خطرے میں رہتی تھیں۔ لیکن انہوں نے جان و مال کی پرواہ کئے بغیر دن رات کام کیا۔ مصائب برداشت کئے۔ لیکن اف نہ کیا۔

پھر انتخابی مہم شروع ہوئی۔ پیپلز پارٹی کے کارکن تو پہلے ہی سے سرگرم عمل تھے۔ اب پارٹی کے امیدوار اور راہنما بھی میدان میں آگئے۔ انتخابی مہم کے دوران امیدوار اور راہنما کارکنوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ انہوں نے کارکنوں کی ہمت بندھائی۔ وہ کہتے تھے کہ اگر ہماری پارٹی برسر اقتدار آگئی تو ہم غریبوں، کسانوں اور مزدوروں پر اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے۔ ہم عوام کو کبھی دھوکہ نہیں دیں گے وغیرہ وغیرہ — ایک امیدوار نے کسانوں کے قرضہ کی معافی کا بھی اعلان کر دیا جس کی مالیت تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپے تھی۔

اپنے قائدین کے اس جوش و خروش سے متاثر ہو کر کارکنوں نے انتخابی مہم تیز کر دی۔ سارا سارا دن بھوکا رہ کر کام کیا۔ وہ ایسے مقامات پر بھی گئے۔ جہاں جانا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ آخر کار انتخابات کا دن آگیا۔ اِس دن بعض پولنگ بوتھ پر جھگڑے بھی ہوئے۔ کارکنوں کے علاوہ قومی اسمبلی کے امیدوار حاجی فتح دین شاہ بھی زخمی ہوئے۔ کارکنوں کی اس محنت اور لگن کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ خلاف امید کھپرو تحصیل سے پیپلز پارٹی کے امیدوار کو بائیس ۲۲ ہزار ووٹ ملے۔

لیکن انتخابات کے فوراً بعد پیپلز پارٹی کے رہنما اپنے بنگلوں میں دبک کر بیٹھ گئے۔ کاروں میں سفر کرنے لگے۔ کارکنوں اور عوام سے ناطہ توڑ لیا۔ رہنماؤں کی اس سرد مہری سے کارکنوں کے جذبے اور خلوص پر کوئی اثر نہ پڑا۔ وہ حسب معمول پارٹی کے منشور کی روشنی میں کام کرتے رہے۔ غریبوں، کسانوں اور محنت کشوں کا ساتھ دیتے رہے۔ کارکنوں کی یہ بات وڈیروں اور زمینداروں کو ایک آنکھ نہ بھائی۔ انہوں نے کارکنوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا اور کھلم کھلا پارٹی کے منشور کی خلاف ورزیاں شروع کر دیں۔ لیکن کارکن ان کے دباؤ میں نہیں آئے۔ پارٹی کے قائدین کی اس حماقت کا نتیجہ یہ نکلا کہ وڈیروں کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ وڈیروں نے بدنام اور رسوائے زمانہ نوکر شاہی سے گٹھ جوڑ کر کے ہاریوں کو طرح طرح سے تنگ کرنا شروع کر دیا۔ ہاریوں کے بیل اور جانور چوری ہونا شروع ہو گئے۔ کسانوں کی بیدخلیاں ہونے لگیں۔ یہ تمام اقدامات پیپلز پارٹی کے منشور کے سراسر خلاف تھے۔ لیکن روک تھام کے لئے کوئی اقدام نہیں کیا گیا۔

یکم مارچ کو زرعی اصلاحات کا اعلان کیا گیا۔ اعلان ہوتے ہی وڈیروں نے نوکر شاہی سے گٹھ جوڑ کر کے زمینوں کے کھاتوں میں ردو بدل کرائی۔ بخشش نامے جاری کئے۔ اور جو بچہ ابھی ماں کے پیٹ میں تھا اس کے نام بھی زمین کر دی گئی — ان اقدامات کا مقصد زرعی اصلاحات کو ناکام بنانا اور ہاریوں کے پیٹ پر لات مارنا تھا۔ پارٹی کے کارکنوں نے اس کے خلاف زبردست احتجاج کیا۔ لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ وڈیرے اب بھی اس عوام دشمن کھیل میں مصروف ہیں۔

وڈیرہ شاہی پیپلز پارٹی کے مخلص اور سرگرم کارکنوں کو طرح طرح سے تنگ کر رہی ہے۔ گذشتہ دنوں ایک کارکن سے اس کے روزگار کے تمام مواقع چھین لئے گئے۔ ان وجوہات کے سبب پیپلز پارٹی دو گروہوں میں بٹ گئی ہے۔ ایک طرف وڈیرے، سرمایہ دار اور عوام دشمن افراد ہیں، دوسری جانب پارٹی کے مخلص کارکن ہیں۔ جو پارٹی کے منشور کے مطابق ہر صورت میں کام کرتے رہیں گے۔ چاہے کتنی بڑی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔

پیپلز پارٹی کی حکومت قائم ہوتے ہی ایسے افراد، جو کل تک جناب بھٹو اور پارٹی کو اعلانیہ اور کھلم کھلا گالیاں دیا کرتے تھے، چور دروازوں سے پارٹی میں داخل ہونا شروع ہو گئے ہیں اور پارٹی کے منشور کی دھجیاں اڑا رہے ہیں لیکن کارکنوں کو یقین ہے۔ کہ وہ ایک دن ضرور پارٹی کو وڈیروں، سرمایہ داروں اور موقع پرستوں سے پاک کر دیں گے۔



پیپلز پارٹی سے معجزوں کی اُمید باندھی گئی

ایس۔ کے۔ ایم غازی صدر پیپلز پارٹی عزیز آباد۔ (کراچی)

(۱) پیپلز پارٹی کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد عوام نے اطمینان اور مسرت محسوس کی۔ ہمیں امید ہے کہ فرسودہ ظالمانہ

نظام جلد ختم ہو جائے گا۔ استحصال کرنے والے افراد اور طبقوں کا محاسبہ ہو گا اور "سلطانیِ جمہور کا دور جلد آئے گا"۔

(۲)— عوام نے پیپلز پارٹی سے جو توقعات قائم کی تھیں۔ ان کو متعین نہیں کیا جا سکتا۔ ہماری قوم جو صدیوں سے مسلسل کچلی اور لوٹی جا رہی ہے وہ موہوم اور فرضی توقعات اور امیدوں کے سہارے زندہ ہے۔ ہم خوش آئند مستقبل کے سہانے خواب دیکھنے کے عادی ہیں اور الفاظ کی شوکت اور نعرے کی بلند آہنگی کو زبردست اہمیت دیتے آئے۔ ہم معجزوں اور کرامات پر یقین رکھتے ہیں اور از غیب کسی کے نمودار ہو کر تمام مسائل حل کر دینے کا تصور پاکستانی قوم میں عام ہے۔ پیپلز پارٹی سے بھی اسی قسم کے معجزوں کی امیدیں رکھی گئی ہیں۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ "روم کا شہر بھی ایک دن میں نہیں بن گیا۔"

(۳)— پارٹی کی تنظیم مضبوط بنیادوں پر نہیں ہوئی تھی اور ضرورت پر ہر کسی کو پارٹی کے عہدے دے دیئے گئے تھے۔ اقتدار ملنے پر وہی پرانی ذہنیت کے مسلم لیگی ری پبلکن، آزاد سامنے آئے۔ کیونکہ عوام سے رابطہ اور عوام پر اعتماد پہلے اس ملک میں کبھی نہیں رہا۔ پھر بھی برسرِ اقتدار پیپلز پارٹی کے عہدیدار عوام سے رابطہ قائم کرنے کی سعی کر رہے ہیں۔

(۴/۵)— میرے خیال میں کسی پارٹی کی اصل قوت کارکن ہی ہوتے ہیں اور کارکن بننا بہت مشکل ہے۔ ہر کوئی لیڈر بن جاتا ہے۔ ضرورت ہے کہ پارٹی کی جانب سے پارٹی کے منشور اور پارٹی کی آئیڈیالوجی کی تربیت کے مراکز قائم کیے جائیں۔ عملی کاموں کا پروگرام بنا کر دیہاتوں اور محلوں میں سروے اور خدمات کا درس دیا جائے۔ نچلے درجے سے خدمات اور صلاحیت کی بنیاد پر کارکنوں کو ترقی دینے کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

(۶)— شہرت تو یہی ہے کہ بعض افراد نے عہدوں سے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کر دیا ہے۔ چونکہ پیپلز پارٹی ملٹی کلاس پارٹی ہے اس میں داخلہ پر کوئی پابندی نہیں رہی۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ مفاد پرست عناصر اس قسم کی حرکت کر رہے ہوں اور پارٹی کے منشور کو سبوتاژ کرنے میں مصروف ہوں مگر کوئی ٹھوس مثال اور ثبوت ہمارے پاس نہیں اور ایسی باتوں کی تحقیق ازحد ضروری ہے۔

(۷)— اصولاً پارٹی کو حکومت پر کنٹرول کرنا چاہیئے

(۸)— کم از کم ہمارے حلقہ میں پولیس یا نوکر شاہی کے کاموں میں ہمارے ساتھی مداخلت نہیں کرتے!



میں کیسے اعتبارِ انقلاب آسماں کر لوں

مشتاق احمد نائب صدر پیپلز پارٹی گلبرگ III لاہور

(۱) نہ تم بدلے نہ دل بدلا نہ دل کی آرزو بدلی
میں کیسے اعتبارِ انقلاب آسماں کر لوں

(۲) جب روٹی کپڑے کے عوض گولی، کپڑے کی جگہ کفن، جگہ مانگنے پر قبر ملے تو امکانات کیا ہو سکتے ہیں۔

(۳) نیچے عوام کا جبڑا ہے اوپر قیادت کا جبڑا اور درمیان میں کارکن نوالہ کی صورت پنڈولم کی طرح جھول رہے ہیں، عوام کی طرف آئیں تو مسائل کی بھرمار، قیادت کی طرف جائیں تو بے رحمی۔

(۴) کارکن کو دیکھتے ہی ماتھے پر شکنیں اور قہر آلود نظریں، رہنماؤں کو تو کارکن سے بات کرنے کی بھی فرصت نہیں۔

(۵) ہمیں سے رنگ گلستاں ہمیں سے رنگ بہار
ہمیں کو نظمِ گلستاں پر اختیار نہیں

چاہیئے تو یہ تھا کہ تمام ذمہ دار پارٹی عہدے چھوڑ دیتے۔ جمہوری طریقہ سے دوبارہ انتخاب ہوتے۔ مگر منتخب نمائندے اور ذمہ دار عہدے چھوڑتے نظر نہیں آتے۔ بالآخر طاقت کا سرچشمہ عوام ہی کو آگے بڑھ کر پارٹی میں جمہوری اقدار کی روایت قائم کرنی ہو گی۔

(۶) موقع پرست، مفاد پرست اور بااثر افراد ایسا کرتے ہیں جو یقیناً کارکن نہیں۔

(۷) سوشلسٹ ملکوں میں تو پارٹی ہی حکومت پر کنٹرول کرتی ہے پارٹی کو حکومت پر کنٹرول کرنا چاہیئے۔

(۸) یہ بالکل غلط تاثر ہے۔ یہ شوشہ دائیں بازو کی رجعت پسند جماعتوں کا چھوڑا ہوا ہے۔ جو شاید کل ہمارے راہنماؤں کے لبوں کی زینت بن جائیں۔ ہم ان کو عوام کے مسائل سے آگاہ کر کے ان کے فرائض کا احساس ضرور دلاتے ہیں۔



عوام کی توقعات پوری ہوں گی

سید ماکن شاہ رضوی۔ صدر پیپلز پارٹی۔ خیرپور۔ گمبو

(۱) پیپلز پارٹی کو اقتدار بہت نازک وقت میں دیا گیا۔ ہمیں فخر کرنا چاہیئے کہ اس نے مختصر عرصے میں انقلابی اصلاحات کیں۔ جن کی وجہ سے اب کسان، مزدور، شاگرد وغیرہ سب خوش حال بن جائیں گے۔

(۲) عوام نے پارٹی سے جو توقعات وابستہ رکھی تھیں ضرور پوری ہوں گی۔ فی الحال تو ہمیں سخت بحران کا سامنا ہے

(۳) قیادت اور کارکنوں میں کوئی خلا نہ ہونا چاہیئے۔

(۴) حکومتی عہدوں پر جانے والے حضرات کا کارکنوں سے رویہ پہلے جیسا نہیں رہا۔ وہ حضرات پہلے ہماری خوب عزت کرتے تھے۔ باتیں دلچسپی سے سنتے کرتے تھے لیکن اب ان میں سے کچھ حضرات تو پہچانتے نہیں لہذا ان سے دوبارہ تعارف کروانا پڑتا ہے۔

(۵) کارکنوں کو آپس میں اتحاد اور پہلے جیسا ولولہ اور مقصد سامنے رکھنا چاہیئے اور آپس میں بھائی چارے کے اصولوں پر کاربند رہنا چاہیئے۔

(۶) ہمارے علاقے میں تو اب تک ایسا نہیں ہوا کہ بااثر افراد نے کمائی شروع کر دی ہو۔ تاہم کچھ سماج دشمن عناصر اور شکست خوردہ لوگ پیپلز پارٹی کو بدنام کرنے کے لئے ایسی افواہیں اڑاتے ہی رہتے ہیں۔

(۷) پارٹی کو حکومت پر کنٹرول کرنا چاہیئے۔ اگر حکومت نے پارٹی پر کنٹرول کیا تو پارٹی کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

(۸) کارکن پولیس اور انتظامیہ کے کاموں میں بالکل مداخلت نہیں کرتے لیکن ان پر نظر ضرور رکھتے ہیں۔

ڈگری

کولھی بھیل میگواڑ ہاریوں کو انسان سے جانور بنا دیا گیا

مصطفیٰ رضا

وطنِ عزیز کے دستِ دولت آفرین ہاری اور کسان جس بھوک افلاس اور استحصال کا شکار ہیں۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، لیکن تھرپارکر کے کولھی بھیل میگواڑ ہاریوں کا جس طرح استحصال کیا گیا، جبر و تشدد کیا گیا اور ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا اس کی مثال ملنا ناممکن ہے۔ ضلع تھرپارکر میں پانچ لاکھ کولھی بھیل میگواڑ ہاری آباد ہیں۔ ان کی ذاتی اراضی ہے نہ کوئی مکان سالہا سال سے یہ وڈیروں کی زمینوں پہ کاشت کر رہے ہیں شب و روز خون پسینہ ایک کر کے فصلیں اگاتے ہیں۔ راتوں کو جاگ کر رکھوالی کرتے ہیں اور جب فصل پک کر تیار ہوتی ہے تو وڈیروں کے کارندے، کامدار آ کر فصل اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ یہ مظلوم ہاری منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔

وڈیرے ان مظلوم ہاریوں کی دولت سے عیاشی کرتے ہیں، ایک چھوڑ چار چار شادیاں رچاتے ہیں، مجرے کراتے ہیں اور کتے پالتے ہیں۔ ہر کتے کی خدمت کے لیے دو دو ملازم ہوتے ہیں۔ غرضیکہ دونوں ہاتھوں سے دولت لٹائی جاتی ہے۔ دوسری جانب کولھی بھیل میگواڑ ہاریوں کو دو وقت کی روکھی سوکھی روٹی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ اکثر گھرانوں میں چولہا نہیں جلتا۔ پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے وہ وڈیرے کے سامنے قرض کے لیے دستِ سوال دراز کرتا ہے۔ وڈیرہ اسے قرض دیتا ہے۔ پھر سود در سود کا چکر چلتا ہے۔ دن بدن قرض میں اضافہ ہو جاتا ہے اور آخر کار وہ وڈیرے کا زرخرید غلام بن جاتا ہے۔ وہ اپنی مرضی سے کسی جگہ نہیں جا سکتا اور نہ ہی کسی دوسرے وڈیرے کا ہاری بن سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے پاس قرض چکانے کے لیے رقم نہیں ہوتی ہے۔

ضلع تھرپارکر میں ذات پات کی جڑیں بہت مضبوط ہیں۔ کولھی بھیل میگواڑ ہاریوں سے شودروں جیسا سلوک اور رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔ وہ وڈیرے کی وڈیرے اور حویلی میں جوتوں سمیت داخل نہیں ہو سکتے۔ نہ کرسی پہ بیٹھ سکتے ہیں۔ جب ہاری وڈیرے کے ہاں جاتا ہے تو حویلی کے باہر ہی اپنے جوتے اتار دیتا ہے اور "فرشی سلام" کر کے زمین پر بیٹھ جاتا ہے۔ وڈیرہ اس سے ہاتھ تک نہیں ملاتا کیونکہ وہ ان دستِ دولت آفرین کو ناپاک سمجھتا ہے۔ انہیں وڈیروں کے ساز و سامان اور برتنوں کو ہاتھ لگانے کی بھی اجازت نہیں۔ بس یا ٹرین میں یہ وڈیرے کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے۔ اور دھوبی کے دھلے ہوئے کپڑے نہیں پہن سکتے۔ اوّل تو ان کے پاس اتنے پیسے ہی نہیں ہوتے کہ وہ دھوبی کے دھلے ہوئے کپڑے پہننے کی "عیاشی" کر سکیں دوسرے دھوبیوں کو وڈیروں کا حکم ہے کہ وہ کولھی بھیل میگواڑ ہاریوں کے کپڑے نہ دھوئے۔

وڈیروں کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی ان مظلوم ہاریوں کو اچھوت اور ناپاک سمجھنے لگے ہیں۔ ہوٹلوں میں ان کے لیے برتن اور بیٹھنے کی جگہ الگ ہوتی ہے۔ یہ دوسرے لوگوں کے ساتھ بیٹھ بھی نہیں سکتے۔ ان کے باربر بھی الگ ہیں۔ شہریوں کے باربر ان کے بال نہیں تراشتے۔

کولھی بھیل میگواڑ ہاریوں کو وڈیروں کی زمینوں پہ کاشت کرنے کے علاوہ بلامعاوضہ وڈیروں کے گھوڑوں گائے، بھینس، بکریوں اور کتوں کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے چارے کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح سے ان کی بیویوں بیٹیوں اور ماؤں کو وڈیروں کے ڈیروں اور حویلیوں میں کام کرنا پڑتا ہے۔ جس کا کوئی معاوضہ نہیں دیا۔ بلکہ ان سے یہ کام لینا وڈیروں کا پیدائشی حق سمجھا جاتا ہے۔

جہلم

سرمایہ دار سازش کر رہے ہیں

الفتح رپورٹ

۲۰ جولائی ۷۲ء ۱۹ کو فوجی ٹیکسٹائل ملز ایمپلائز یونین کا ایک اجلاس زیرِ صدارت محمد الیاس صدر ایمپلائز یونین شام چار بجے منعقد ہوا۔ صدرِ جلسہ نے خطاب کرتے ہوئے سندھ میں لسانی مسئلے کی آڑ میں بے گناہ عوام کے ناحق خون پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا اور حکومت سے استدعا کی کہ ہنگاموں کے دوران شہید ہونے والوں کے پس ماندگان کو معاوضہ جلد از جلد دیا جائے۔

انہوں نے دس جولائی کو سہ فریقی لیبر کانفرنس کو ملتوی کرنے پر سخت غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ سوچا سمجھا منصوبہ ہے جو کہ سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے الزام لگایا کہ سرمایہ دار اگر پاکستان کے استحکام کے لیے تعمیری مقاصد کی طرف دھیان دیتے تو آج ہم مزدور خوشحال ہوتے۔ لیکن یہ لوٹ کھسوٹ ذخیرہ اندوزی اور اسمگلنگ کے ذریعے منافع کمانے میں مصروف ہیں اور حکومت کے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔

انہوں نے فوجی ٹیکسٹائل ملز جہلم کی انتظامیہ کی مزدور کش پالیسی کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ مِل انتظامیہ اپنے سرمایہ داری ذہن کو بدلے اور افسران اپنی جوڑ توڑ اور ذاتی مفادات پر مبنی جابرانہ اور تخریبی کارروائیوں سے گریز کریں۔ انہوں نے کہا کہ فوجی فاؤنڈیشن یہ دعویٰ کرتی ہے کہ وہ سابقہ فوجیوں اور ان کے بچوں کی دیکھ بھال کرتی ہے یہ دعویٰ قطعاً غلط ہے۔ لہٰذا فوجی فاؤنڈیشن کو چاہیئے کہ وہ روزمرّہ ضرورتِ زندگی کی اشیاء فیئر پرائس شاپ میں مہیا کرے۔ علاوہ ازیں نو ماہ کی سروس والے ملازمین کو مستقل کرے۔ یونین کے خزانچی مرزا محمد الفت نے چیف اکاؤنٹنٹ کی مزدور کش پالیسی پر سخت غم و غصّے کا اظہار کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ انتظامیہ فوراً چیف اکاؤنٹنٹ کو برطرف کرے۔ بصورتِ دیگر حالات کے بگڑنے کی تمام ذمہ داری انتظامیہ پر ہو گی۔

مژگاں تو کھول شہر کو سیلاب لے گیا

لانڈھی و کورنگی میں پیپلز پارٹی کے پچھتر دفاتر ہیں۔ تمام صوبہ سندھ میں اتنی بڑی تعداد میں منظم طور پر پارٹی کے لیے کہیں کام نہیں ہوا ہے۔ پچیس وارڈ دفتر اور پچاس یونٹ دفاتر پر مشتمل یہ تنظیم ڈھائی سال سے مصروف ہے۔

اس نواحی بستی کے تمام باشندے انتہائی غریب اور ضروریاتِ زندگی سے محروم ہیں۔ باوجود اس کے تمام دفاتر کے لیے فرنیچر اسٹیشنری سائن بورڈ، دفتر کا ماہانہ کرایہ اپنا پیٹ کاٹ کر پورا کرتے رہے ہیں مگر کبھی حکمران پارٹی کو ان کی مشکلات پر ایک نظر ڈالنے کا موقع نہ مل سکا۔ تمام رجعت پسند پارٹیوں کی نگاہ میں یہاں کی تنظیم کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی اور بالآخر ۷ جولائی کو اردو کے خلاف سندھی زبان کا بل اسمبلی میں پاس ہونے پر ان پارٹیوں نے اپنے حسد کی آگ بجھانے کا موقع حاصل کر لیا۔

چنانچہ لانڈھی کورنگی کے تمام دفاتر ایک ہی دن میں مسمار کر دیئے گئے۔ قائدِ عوام کی تصاویر، سردار حق نواز گنڈا پور شہید کی تصاویر اور کتب و رجسٹر لب سڑک نذر آتش کر دیئے گئے۔

کارکنان پیپلز پارٹی کے گھروں پر حملے کیے گئے۔ پروفیسر این ڈی خان کو گھر سے نکال کر عین سڑک کے چوراہے پر زد و کوب کیا گیا۔

یہ ہے پیپلز پارٹی سے وفاداری اور پرخلوص جدوجہد کا انجام اور سب سے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب پیپلز پارٹی برسرِ اقتدار ہے۔

انتخابات سے قبل کی فضا آج کی فضا سے زیادہ مکدر تھی۔ اور پیپلز پارٹی کے کارکنوں کو کافر گردانا جاتا تھا۔ اس بدترین وقت میں بھی ہم نے اپنے دفاتر بڑی آن بان سے قائم رکھے اور کسی کو جرات نہ ہوئی کہ ہمارا جھنڈا گرا دے یا ہمارے کسی دفتر پر حملہ کر سکے مگر آج ایسا کیوں ہوا اور آئندہ کس امید پر ہم دوبارہ دفاتر میں روح ڈالنے کی کوشش کریں۔ یہ صورتِ حال پارٹی کے لیے کیا انجام بنے گی ہم پہ آنے والا وقت ہی بتا سکے گا۔

(سکندر آرٹسٹ — لانڈھی، کورنگی)

انقلاب کے نام نہاد علمبرداروں کے چہرے سے نقاب الٹ دیا جائے

ہم محنت کشوں کے حقیقی انقلاب پر غیر متزلزل یقین رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مزدوروں کسانوں کی قیادت ہی میں ملک میں انقلاب آ سکتا ہے اور ملک سے موجودہ سرمایہ دارانہ جاگیردارانہ اور نیم نوآبادیاتی نظام ختم کیا جا سکتا ہے۔ آج وقت آگیا ہے کہ نام نہاد مزدور دوستوں اور انقلاب کے علمبرداروں کے چہرے سے نقاب الٹ دیا جائے تاکہ مزدوروں کسانوں اور طالب علموں کو یہ پتہ چل سکے کہ ان کا حقیقی دوست کون ہے اور ان کا حقیقی دشمن کون؟

آج جبکہ پیپلز پارٹی کا طبقاتی کردار کھل کر سامنے آگیا ہے، پیپلز پارٹی نچلی سطح کے کارکنوں سے کٹ کر آج اپنے حقیقی آقاؤں سے جا ملی ہے۔ پیپلز پارٹی اب خان قیوم اور دولتانہ کی پارٹی ہو گئی ہے۔ رفیق سہگل کو پی آئی اے کا مینیجنگ ڈائریکٹر بنا دیا گیا ہے۔ ایوبی آمریت کے ایک ستون ملک خدا بخش بچہ کو بھی پیپلز پارٹی کا سہارا مل گیا ہے مفتی محمود اور ولی خان سرحد کے کسانوں پر خونی ڈرامہ کھیلنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ دوسری طرف مختار رانا جیل میں بند کر دیئے گئے ہیں۔ مزدوروں کی چھانٹیاں اور کسانوں کی بے دخلیاں جاری ہیں۔ مہنگائی کا دور دورہ ہے طالب علموں پر پولیس لاٹھی چارج اور آنسو گیس کے گولے پھینک رہی ہے امریکی سامراج کی مخالفت پر لوگوں نے بھٹو حکومت کو ووٹ دیئے۔ آج ویت نامی حریت پسندوں کی حمایت میں نکلنے والے جلوس پر حکومت لاٹھیاں برسا کر امریکی سامراج سے اپنی محبت کا دیوانہ وار اظہار کر رہی ہے، مزدوروں کے حقوق طلب کرنے کو گھیراؤ جلاؤ سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ غرضیکہ مزدوروں، کسانوں کی ہمدرد حکومت عملاً مزدور کسان دشمنی اپنائے ہوئے ہے اور اس کا ثبوت اس نے کراچی میں پرامن مزدوروں کو شہید کر کے فراہم کر دیا ہے۔

(خالد پرویز — گجرات)

بقیہ: اداریہ

بائیں بازو کے کارکنوں کو دشمنوں کی پہچان میں احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ انہیں دیکھنا ہوگا کہ پاکستان کے وجود کے مخالفین، اکھنڈ بھارت کے حامی اور پاک بھارت اور پاک روس دوستی کے علمبردار ملک کو ختم کرنے کے لیے عوام کو استعمال تو نہیں کر رہے۔ "بنگلہ دیش" کے واقعات کو مغربی پاکستان میں دہرانے کا مطلب پاکستان کو ختم کرنا ہے —؟

پاکستان کے مخالفوں اور پاکستان کے حامیوں میں ۲۵ سال کے دوران ایک واضح امتیاز قائم ہو چکا ہے۔

دکھنڈلے بھارت کے حامیوں کے چہرے بے نقاب ہو چکے
یہ چہرے آج گلیوں، محلوں اور شہروں میں دندنا رہے ہیں
یہ بنگلہ دیش بنوا چکے ہیں۔ سندھو دیش کے لیے راہ ہموار
کر رہے ہیں۔ پختونستان کے داعی ہیں۔ ان سے اتحاد قائم
نہیں ہو سکتا۔ بیرونی جارحیت کے بل بوتے پر آزادی کا ڈھونگ
رچانے والوں کی قیادت تسلیم نہیں کی جاسکتی۔

عوام دشمن طاقتوں کا ہر محاذ پر مقابلہ کیا جائے۔
مزاحمت کی جائے۔ قربانیاں دی جائیں۔ مادرِ وطن کو بچانے
کے لیے خون کے نذرانے پیش کیے جائیں۔

بقیہ: مصر سے روسی فوجی ماہرین کا انخلاء

اخبارات میں شائع ہوا کہ "مصر کو چاہیئے کہ وہ جنگ کے بعد نئی صورت حال کے پیش نظر اسرائیل کو تسلیم کرے اور اسرائیلی رہنماؤں سے براہِ راست بات چیت کا آغاز کرے تاکہ مقبوضہ علاقوں کی بازیافتگی اور دیگر متنازعہ مسائل طے ہو سکیں"۔ اس خطاب نے مصری قیادت اور مصری عوام کو بہت مایوس کیا اور ان کا یہ شک یقین میں بدل گیا کہ "روس نے اسرائیل مصر جنگ میں مصر کے خلاف سامراج کا ساتھ دیا ہے۔" اس کے بعد روسی اخبارات "پراودا" اور "ازوستیا" نے اپنے سیاسی مقالوں میں مصری حکومت پر زور دیا کہ وہ اسرائیل کو تسلیم کر کے براہ راست بات چیت کا آغاز کرے لیکن انور السادات نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ "اسرائیل کو مقبوضہ علاقہ اقوام متحدہ میں منظور کی جانے والی قرارداد کے پیش نظر خالی کرنے پڑیں گے۔ اس وقت تک مصری عوام مسلح جدوجہد کے ذریعہ اپنے علاقے واپس کرانے کا حق محفوظ رکھتے ہیں اور اس کے بعد مئی ۱۹۷۱ء میں صدر انوار السادات نے مصر کے روس نواز نائب صدر علی صابری کو حکومت کا تختہ الٹنے کے الزام میں برطرف کر کے گرفتار کر لیا۔ مصری حکومت کے اس اقدام نے روس کو اور مایوس کیا اور اس نے جدید ہتھیاروں کی ترسیل روک دی ـــــ جناب عزیز صدقی نے اس سلسلہ میں روس کا گذشتہ ہفتہ دورہ کیا لیکن روس نے جدید جنگی ہتھیاروں کی فراہمی سے قطعاً انکار کر دیا اور جناب صدقی اپنا دورہ مختصر کر کے مصر واپس آگئے اور صدر السادات نے روس کے فوجی مشیروں کو مصر چھوڑنے کا حکم دے دیا۔ صدر انوار السادات کے اس اقدام کا ہر مملکت میں خیر مقدم کیا گیا۔ عوامی جمہوریہ چین کے وزیر اعظم چو۔ این۔ لائی نے ۲۱ جولائی کو اس فیصلے کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ "مصری حکومت نے بڑی طاقتوں کے چنگل سے بچنے کے لئے جو اقدام کیا ہے میری حکومت اس پر خوش ہے۔" مصری حکومت نے یہ فیصلہ اس لئے بھی کیا کہ لیبیا کی حالیہ گڑبڑ میں سوویت یونین کا ہاتھ تھا۔ مشرقِ وسطیٰ میں مصر اور روس کے نئے سیاسی حالات یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ روس نے سوشل سامراج کی حیثیت سے مسلح جدوجہد کے راستہ کو انقلاب لانے کے لئے مسترد کر دیا ہے۔ اور سوشلزم کے روایتی طریقہ کار کو ان ترمیم پسندوں نے سامراج کے ساتھ مل کر وہ شکل دی ہے جو شکست خوردہ حکمت عملی کا دوسرا نام ہے۔ مصر کے عوام کو اب اس حقیقت کا پتہ چل گیا ہے۔ ویت نام کے عوام اس حقیقت کو بہت پہلے بھانپ چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے روس کی مدد پر اپنی جدوجہد کا انحصار نہیں کیا ورنہ ویت نام کی عظیم انقلابی جدوجہد کی تاریخ کبھی وجود میں نہیں آتی ـــــ وہ وقت دور نہیں جب افریقہ، ایشیا اور لاطینی امریکہ کے عوام روس کی ترمیم پسندی کے خلاف سامراجی گٹھ جوڑ کو بے نقاب کر دیں گے۔ اور اپنی مسلح جدوجہد کو اپنی توانائی کے بھروسہ پر آگے بڑھا دیں گے جس سے انقلاب کا راستہ ہمیشہ روشن ہے۔

بقیہ: ٹکا خان آوے ای آوے

ملیا میٹ کر سکتے ہیں جو ان کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں خدا خدا کر کے فوج سیاست سے الگ ہوئی ہے۔ جنرل ٹکا خان فوج کی تنظیم نو میں مصروف ہیں۔ جماعت اسلامی ان نعروں کے ذریعے ٹکا خان کی عزت افزائی کی بجائے عوام کو کچھ اور تاثر دینا چاہتی ہے۔

اتنی بڑی شکست کے بعد ملک کسی بیرونی دشمن کے حملے کو فی الوقت برداشت نہیں کر سکتا۔ جماعت اسلامی اپنے ناپاک منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک بار پھر ہماری ممتاز مسلح افواج کو سیاست کے کانٹوں میں گھسیٹنا چاہتی ہے ـــــ کیا یہ جماعتِ اسلامی کی عوام دشمن حکمتِ عملی کی بدترین مثال نہیں ہے؟

ویسے ہم خلوص دل کے ساتھ جماعتِ اسلامی کو مشورہ دینا چاہتے ہیں کہ وہ سندھ میں لسانی مسئلے پر کامیاب ہنگامہ آرائی سے زیادہ اکڑنے اور اترانے کی کوشش نہ کرے۔ عوام ۱۹۵۸ء اور ۱۹۶۹ء کے حالات دوبارہ پیدا نہ ہونے دیں گے۔

بقیہ: اظہار خیال

علاقوں میں سرائیکی اور بعض میں دوسری زبانیں بولی جاتی ہیں۔ اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ سندھ کی دیہاتی زبان صرف سندھی ہے۔ اب رہا محنت کشوں کا مسئلہ جو شہروں میں رہتے ہیں۔ سو کیا یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ ان کی زبان اردو ہے اور ان کی ۹۵ فی صد اکثریت سندھی سے ناواقف ہے۔ زبان کی اس بحث میں آپ تنظیمی طور پر ان لاکھوں چھوٹے تاجروں، غیر ہنرمند مزدوروں، کلرکوں، دوکانوں کے ملازموں، خوانچہ فروشوں، رکشا ڈرائیوروں، کاریگروں، مستریوں معماروں، سڑکیں کوٹنے والوں، بڑھیوں، کمہاروں، لوہاروں، برتن بنانے والوں، پتھر ڈھونے والوں، گدھے گاڑیاں، اونٹ گاڑیاں بیل گاڑیاں چلانے والوں، دھوبیوں، تنبولیوں، غرض طرح طرح کے چھوٹے موٹے کام کر کے اپنا پیٹ پالنے والوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ جو اردو بولتے ہیں اور ان کی کسی تحریک کو صرف اس لئے انقلاب دشمن نہیں کہہ سکتے کہ وہ ہاری نہیں ہیں۔ یہ سب محنت کش ہیں یا انہی کے درجے کے لوگ ہیں۔ ان کی تحریک بھی اسی قدر انقلابی ہوتی ہے جتنی ہاریوں کی۔ صرف یہ واقعہ کہ صوبہ سندھ کا نام سندھ ہے۔ صوبے کی زبان صرف سندھی قرار دینے کی معقول دلیل نہیں بن سکتا۔ لیکن یہ حقیقت بھی اگر حقیقت ہو کہ سندھ میں سندھی بولنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ دوسری زبانوں کو ختم کرنے کا جواز نہیں بن سکتی کہ آپ کسی زبان کو طاقت کے بل پر ختم نہیں کر سکتے۔ اگر سوویت یونین کے انداز پر آپ حالات کا تصفیہ کرنا چاہیں تو پھر صوبہ سندھ کو ۱۳ لسانی منطقوں میں بانٹنا پڑے گا اس لئے کہ صوبے میں ۱۳ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ گویا روس کا موقف سامنے ہو تو سندھ میں واحد سندھی کا نعرہ رجعت پرستانہ نعرہ ہے جبکہ روس کے اعتبار سے تو فاش نعرہ ہے۔ سندھ کے دو لسانی صوبہ بنانے کا حل موجودہ حالات میں مسئلے کو بڑی حد تک طے کرنے کا ایک معقول طریقہ ہے سندھ کی معروض حقیقت یہ ہے کہ صوبے کی آبادی کی اکثریت شہروں میں رہتی ہے جو اردو سمجھتی، اردو بولتی ہے اور اقلیت جو دیہات میں رہتی ہے۔ سندھی اور دوسری زبانیں بولتی ہے۔ ایک اور معروض حقیقت یہ بھی ہے کہ سندھی بولنے والے بھی اردو سمجھتے اور بولتے ہیں۔ گویا صوبے کی سب سے بڑی تعداد اردو سمجھتی اور بولتی ہے۔ اب ایسی صورت میں کیا یہ کسی بھی مارکسی اصول سے جائز اور حق بجانب ہو گا کہ اقلیت کی زبان کو صوبے کی واحد سرکاری زبان بنا دیا جائے اور اکثریت کی زبان کو نظر انداز کر دیا جائے۔

مسئلے کا ایک حل اور بھی ہے وہ یہ کہ زبان کے معاملے پر ریفرنڈم کرا لیا جائے۔ ریفرنڈم کے نتیجے میں اکثریت جو فیصلہ دے اسی کو عمل میں لایا جائے۔ مگر ایسی صورت میں اگر اکثریت اُردو کے حق میں رائے دے تو پھر صوبے کی واحد زبان اردو کو بنانا پڑے گا۔ اس طرح اگر سندھی کے حق میں زائد ووٹ آئیں تو سندھی کو واحد زبان بنا دینا چاہیئے۔

یہ طریقہ واضح طور پر جمہوری ہے مگر اس میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ اردو کی تائید ہونے کی صورت میں صوبے کی واحد زبان اردو کو بنانا پڑے گا۔ جس سے سندھی صوبائی درجہ حاصل نہ کر سکے گی۔ اور یہ صورت سندھی کے حامیوں کو قابل قبول نہ ہو گی اور برعکس اس کے صورت ہو تو وہ اردو والوں کے لئے قابل قبول نہ ہو گی جیسا کہ حالیہ تحریک سے واضح ہوا۔ تو ایسی حالت میں ہوش مندانہ حل صرف یہی رہ



جاتا ہے کہ صوبے میں دونوں زبانوں کو یکساں درجہ دیدیا جاتے تاکہ صوبہ کی قابل ذکر آبادی کے جذبات مجروح نہ ہوں۔ اور مسلسل اختلاف و عناد اور فسادات کا سلسلہ جاری نہ رہے۔

اِس معاملے میں ہمیں خیال آفرینی کے بجائے حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ زندگی کی زندہ حقیقتوں کا ادراک۔ جس کے بغیر مسئلے حل نہ ہوں گے اور یہ صوبہ مستقل انتشار او ربدنظمی کا شکار رہے گا یا مآل کار دو حصوں میں تقسیم ہو جانے کے عذاب سے گزرے گا۔ یاد رکھئے زندہ حقیقتوں کو تو دیوتا بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ محدود عرصے تک چلنے والی حکومتوں کا سوال ہی کیا ہے۔

بقیہ: مزدور تحریک کا تجزیہ

شخصی مفادات اور گروہوں میں بٹی ہوئی پارٹی کے مقابلے میں بہت زیادہ بھی اور اب صورت حال یہ ہے کہ بار بار نوکر شاہی اور سرمایہ داری کی خوشامد کی جارہی ہے کہ بقائے باہمی کا کوئی راستہ نکل آئے۔ لیکن یہ قوتیں اپنی شرائط پر اتحاد چاہتی ہیں۔ جس میں انہیں عوام کے استحصال اور عوام پر ظلم کی مکمل آزادی ہو۔

سرمایہ داری، نوکر شاہی اور مفاد پرست سیاسی قیادت کے باہمی گٹھ جوڑ کو ناکام بنانے کے لئے مزدوروں کی قیادت بہت سوچ سمجھ کر اقدام کر رہی ہے۔ اُن کے آپس کے بدلتے ہوئے تعلقات کے حساب سے مزدور قیادت بھی اپنی حکمت عملی تبدیل کر رہی ہے۔ جب یہ تینوں قوتیں ساتھ ہوتی ہیں تو ان کے آپس کے گٹھ جوڑ کی سخت مخالفت کی جاتی ہے۔ لیکن اگر حکومت کسی موقع پر عوام کے سامنے جھکتی ہے۔ بات چیت کے ذریعے معاملات کو طے کرنا چاہتی ہے تو مزدور رہنما بات چیت کا دروازہ بند نہیں کرتے اور حکومت کو پورا موقع دیتے ہیں کہ وہ اپنے رویّے کو درست کر سکے۔ ۱۰ رجون تحریک کے دوران بھی مزدور رہنماؤں نے اسی پالیسی پر عمل کیا۔ اس سے اگر ایک طرف ملک کے عوام پر یہ اثر پڑا کہ مزدور اپنے جائز حقوق کی جدوجہد کرتے ہوئے پورے نظم وضبط کے ساتھ حالات کو ٹھیک کرنا چاہتے ہیں۔ بگاڑنا نہیں چاہتے تو دوسری طرف پیپلز پارٹی کی حکومت کے بہت سے افراد نے سارا الزام نوکر شاہی، سرمایہ داری کے سر تھوپ کر اپنا دامن بچانے کی کوشش کی۔

مزدور رہنما آج کل بڑی سرگرمی سے یہ کوشش کر رہے ہیں کہ پریس اور دیگر ذرائع سے ان کا صحیح موقف اور ان کی جدوجہد کے حالات کے بعد حکومت، سرمایہ داری، نوکر شاہی، گٹھ جوڑ کی حقیقت عوام تک واضح طور پر پہنچتی رہے۔ یہ پالیسی ایک کامیاب اور صحیح پالیسی ہے اور اس پر جتنی زیادہ تندہی سے عمل کیا جائے گا۔ اتنا ہی یہ آپس کا گٹھ جوڑ کمزور ہو گا۔ جتنا یہ گٹھ جوڑ کمزور ہو گا مزدوروں کو اسی نسبت سے اپنی جدوجہد میں کم دشواریاں پیش آئیں گی۔

۱۰ رجون تحریک میں ایک نمایاں بات یہ ہوئی ہے کہ مزدور تحریک ملوں اور کارخانوں کی حدود سے نکل کر مزدور بستیوں تک پھیل گئی۔ اور مزدوروں کی معاشرتی زندگی سے ہم آہنگ ہو گئی۔ ہر چند کہ تحریک فیروز سلطان انڈسٹریز سے شروع ہوئی لیکن دوسرے ہی دن مزدوروں کی تین بستیوں کی تحریک بن گئی۔ اور پھر عام ہڑتال کے دوران ہر مزدور بستی اس تحریک میں شامل ہو گئی۔ نیز یہ کہ مطالبات میں پانی اور دیگر چیزوں کی فراہمی کا مطالبہ رکھا گیا جس کا تعلق کسی خاص مل یا کارخانے سے نہیں تھا بلکہ مزدور بستیوں سے تھا۔

حال ہی میں مزدوروں نے ان بستیوں میں انقلابی کمیٹیاں قائم کی ہیں جو اس مقصد کے تحت منظم ہو رہی ہیں کہ مزدور بستیوں میں مہنگائی، تعلیم، صحت اور صفائی اور دیگر مسائل کے لئے مزدوروں کو منظم کیا جائے جہاں معاملہ حکومت کے محکموں کے ہاتھ میں ہے۔ وہاں یہ کمیٹیاں حکومت سے مطالبے کی صورت میں مزدوروں کی قوت سے کام لیں گی۔ دیگر صورتوں میں بھی مزدور یہ منصوبہ بنا رہے ہیں کہ امداد باہمی کے ذریعہ سستی اشیاء کے اسٹور قائم کئے جائیں اور تعلیمی مسائل کو حل کیا جائے۔ لیکن ہر صورت میں مزدور اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ کسی بھی سیاسی گروپ کو ان مسائل کے حل کے بہانے سے مزدور تحریک میں گروہ بندی کی اجازت نہیں دی جائے گی اور تمام مسائل مزدوروں کی انقلابی کمیٹیوں کے ذریعے طے پائیں گے۔ بستیوں میں انقلابی کمیٹیاں بہت اہم قدم ہے اور اگر مزدوروں کا یہ تجربہ کامیاب ہوتا ہے تو یہ نہ صرف ان بستیوں میں بلکہ پھیل کر سارے ملک میں بڑی تبدیلیوں کا پیش خیمہ ثابت ہو گا اور اس سے سرمایہ داری اور نوکر شاہی مفادات پر کاری ضرب پڑے گی۔

مجموعی طور پر اگر دیکھا جائے تو مزدوروں کی ۱۰ رجون تحریک اپنی کامیابیوں کے لحاظ سے تاریخی حیثیت کی حامل ہے۔ وہ لوگ جو سمجھتے ہیں کہ اس سے تحریک پیچھے کی طرف ہٹی ہے اور مزدور دب گئے ہیں۔ ان کو قائل کرنے کے لئے یہ حقیقت کافی ہے کہ ہڑتال کے خاتمے کے بعد چار دن کے اندر اندر دو فیکٹریوں کو مزدوروں نے قبضہ میں لے لیا۔ کئی اور جگہ مطالبات منوائے گئے اور ریلوے میں ہڑتال ہوئی۔

بقیہ: افسانہ

کا کش لیتے ہوئے وہ پھر کہتا ہے:

"میں حیران حیران سا ہجوم کے ساتھ چلنے لگا۔ ہجوم فلک بوس عمارتوں کے قریب پہنچ چکا تھا۔ میں نے ایک شخص سے پوچھا ——— "تم کب سے اس ہجوم کے ساتھ ہو ———؟" میرا یہ سوال سُن کر ہنسنے لگا پھر آگے بڑھتے ہوئے بولا:

"پورے پچیس سال سے یہ سفر جاری ہے۔ ہم جتنا آگے بڑھتے ہیں عمارتیں اتنا ہی پیچھے ہٹ جاتی ہیں - - - - ——— مگر اب - ——— ہمیں صبحِ نو کی روشنی حاصل ہے ——— اب ہم ضرور ان عمارتوں کو جالیں گے - - ——— !!"

ارسطو نے بات ختم کی - - ——— اور کھانستا ہُوا ہونٹوں پر رومال پھیرنے لگا۔ میں نے شمع کی زرد روشنی میں دیکھا ——— اس رومال پر خون کے چھینٹوں کا رنگ جم رہا تھا - - - ——— اور میں سوچنے لگا۔ کیا صبحِ نو ان خون کے چھینٹوں کو ارسطو کے خاکے میں واپس لوٹا سکے گی ———؟"

زرد چہرے والی رقاصہ بار بار گھڑی کے چمکتے شیشے کو گھور رہی ہے - - - - ——— ایکسٹرا رات کے دو بجنے کا انتظار کر رہا ہے - - ——— شاعر خاموش بیٹھا بوٹ کی "ٹو" سے فرش کو ٹٹول رہا ہے ——— - - - اور میں . . . .

بوسیدہ کھڑکی میں رکھی شمع کو دیکھ رہا ہوں۔ جو ہر صبحِ نو کے انتظار میں جلتی رہے گی ———!!

بقیہ: لسّانی فسادات پر تاثرات

ادھار مانگا تو ٹکا سا جواب مل گیا۔ میں کیا بتاؤں کہ اتنے دن کیسے گزرے۔"

حافظ غلام نے کہا کہ یہ سب سرمایہ داروں اور سیاستدانوں کی شرارت ہے۔ وہ ہم غریبوں کو مرواتے ہیں اور خود ہار پھول پہن کر تصویریں کھنچواتے ہیں۔ اب بھی دیکھو ہر لیڈر ہار پھول لے کر لیاقت آباد دوڑا چلا جا رہا ہے۔ شہید چوک پر چادر چڑھانے کے لئے۔ اتنے سارے مزدور مارے گئے تو کسی کے کانوں پہ جوں تک نہ رینگی۔ اس نے کہا کہ "میں مزدور ہوں اور اپنے ہاتھ کو حرکت دے کر روزی کماتا ہوں۔ چاہے اردو ہو یا سندھی میں ہاتھ چلاؤں گا تو روٹی ملے گی۔ میرے لئے کوئی فرق نہیں پڑتا اس نے یہ بھی بتایا کہ اس کی کالونی میں ہنگاموں کے دوران امن و امان رہا۔ کسی مزدور نے اس میں حصّہ نہیں لیا۔ البتہ اس دوران یہ فکر ضرور لگی رہی کہ کل کا دن بھی ہنگامے میں گزر گیا تو روزی کی سبیل کیسے نکلے گی۔

Regd No : S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
27. July — 3. August 1972.

